بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خلاصۃ التفاسیر

قرآنِ مبین مترجم

۳ (3)

مختلف مکاتبِ فکر قدیم و جدید اہم تفاسیر کا خلاصہ
اور آسان اُردو ترجمہ

از ڈاکٹر محمد حسن رضوی

ناشر: پاک محرم ایجوکیشن ٹرسٹ
(۲۷۹۔ بریٹو روڈ۔ کراچی۔ فون: ۷۲۳۲۳۵۴)

www.drhasanrizvi.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ٥

اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے واسطے
آسان کردیا تو کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے۔ القمر ۲

مترجم

قرآنِ مبین

(۳)

پارہ تِلْكَ الرُّسُلُ

مع آسان اردو ترجمہ و تشریحات

از ڈاکٹر محمد حسن رضوی

ناشر: پاک محرم ایجوکیشن ٹرسٹ
(۲۷۹۔ بریٹو روڈ۔ کراچی۔ فون ۷۲۳۲۳۵۴)

www.drhasanrizvi.org

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون

محمد اقبال نعیمی مخدوم
ریسرچ اینڈ رجسٹریشن آفیسر محکمہ اوقاف

میں نے پاک محترم ایجوکیشن ٹرسٹ
کے تیرا پارہ کو حرفاً حرفاً بغور پڑھا ہے
اور میں تصدیق کرتا ہوں کہ اس کے متن میں
کوئی کمی بیشی اور کتابت میں کوئی غلطی نہیں ہے۔

فیض احمد شاہ سعیدی

حافظ فیض احمد شاہ سعیدی
منظور شدہ پروف ریڈر
گلشن اقبال بلاک 11 کراچی

www.drhasanrizvi.org

"پارہ ۳ تِلْكَ الرُّسُلُ"

الجزء ۳ وقف لازم

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا (۲۵۳)
بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ
مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ
دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ
مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ
بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ
مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ
مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ
وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ
اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَ
لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۟ وَ
لٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۠ ۲۵۳

یہ سب رسول ہیں جن کو ہم نے
ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر مرتبے عطا کیے
ان میں سے کوئی تو ایسا تھا جس سے خدا خود ہمکلام
ہوا، اور کسی کے درجے بلند کیے (مثلاً) عیسیٰ
ابن مریم کو روشن اور واضح نشانیاں عطا کیں اور
روح القدس (پاک روح) کے ذریعے اُنکی مدد بھی کی
اور اگر اللہ چاہتا تو جو لوگ اِن (رسولوں)
کے (آنے کے) کے بعد ہوئے، وہ آپس میں
نہ لڑمرتے، جبکہ وہ روشن نشانیاں دیکھ چکے
تھے، مگر اُنھوں نے اختلاف کیا۔ پھر ان میں سے کوئی
تو ایمان لایا اور کسی نے کفر و انکار کا راستہ
اختیار کیا۔ (ہاں) اگر اللہ چاہتا تو وہ
ہرگز ایکدوسرے سے نہ لڑمرتے، مگر اللہ
جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔

(انسان کا اختیارِ عمل)

www.drhasanrizvi.org

آیت ۲۵۳ کی وضاحت : رسول اور نبی اِس حیثیت سے تو برابر ہوتے ہیں کہ سب خدا کے بھیجے ہوئے ہیں۔ لیکن درجات کے لحاظ سے کچھ کو کچھ پر فضیلت حاصل ہے۔ مثلاً تمام انبیاء میں پانچ انبیاء اولوالعزم ہیں۔ اور ان پانچ میں ہمارے رسولؐ خاتم النبیین — اور — رحمۃ للعالمین ہیں۔ یعنی دوسرے تمام انبیاءؑ اور مرسلین کسی خاص علاقے کے لیے نبی تھے لیکن ہمارے رسولؐ کی رسالت عالمین پر محیط ہے حتّٰی کہ تمام پچھلے انبیاء میثاق کے اعتبار سے آپؐ کی اُمّت میں شامل ہیں۔ یا جیسا کہ آیت میں مثال دی گئی کہ خدا نے حضرت موسٰیؑ سے کوہِ طور پر کلام فرمایا، لیکن آپؐ کو عرشِ معلّٰے پر بلا کر کلام فرمایا۔ آپؐ کو جن و انس سب کے لیے بھیجا، پھر آپؐ کو قرآن جیسا معجزہ عطا فرمایا۔ حضرت موسٰیؑ سے طور پر کلام فرمایا، مگر حضورؐ کو معراج پر بُلا کر عرشِ الٰہی پر کلام کی عزّت عطا فرمائی۔ نیز یہ کہ آپؐ کو خاتم النبیین قرار دیا۔

(مجمع البیان بقول مجاہد، تفسیر کبیر، مدارک)

★ اہلِ اشارات نے نتیجہ نکالا کہ انبیاء کے نائبین اولیاءِ کاملین کے مدارج میں بھی فرق ہوتا ہے۔ حضورؐ اکرم نے ارشاد فرمایا: "حسنؑ اور حسینؑ جنّت کے نوجوانوں کے سردار ہیں، مگر اُن دونوں کے والد اُن دونوں سے افضل ہیں۔" (متفق علیہ)

★ دوسرا نتیجہ یہ نکالا کہ انبیاء اور اولیاء کے فضائل بیان کرنا خدا کی سنّت اور عینِ عبادت ہے۔

★ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر خدا اپنی جبری طاقت استعمال فرماتا تو کافر کا وجود تک نہ ہوتا۔ کافر کا موجود ہونا دلیل ہے کہ انسان اپنے عمل میں مختار ہے۔ اسی طرح اگر خدا مجبور کر کے

www.drhasanrizvi.org

سب کو مومن بنا دیتا تو کوئی اختلاف ہی باقی نہ رہتا اور نہ آپس میں لوگ ایکدوسرے کو قتل کرتے۔ مگر جبر کرنا خدا کے قانونِ عدل کے خلاف ہوگا۔ اسی لیے ہر انسان کو اختیار ہے کہ چاہے تو ایمان لاکر نیک آدمی بن جائے یا حق کا منکر ہوکر بُرا آدمی بن جائے۔ (مجمع البیان)

بقیہ ۱: خدا کا ارشاد فرمانا کہ "ان میں سے بعض کے درجے خدا نے بلند کیے" سے اشارہ حضور اکرمؐ کی طرف ہے۔ کیونکہ وہ تمام انبیاء کے کمالات کے جامع ہیں اور خاتم النبیین ہیں۔ (روح، بحر، کشاف)

★ زمخشری نے نکتہ نکالا کہ "جہاں مراتب کی شناخت میں دقت نہ ہو وہاں صرف اشارہ تفصیلات بیان کرنے سے زیادہ موثر اور بلیغ ہوتا ہے۔ (زمخشری)

★ حضرت عیسیٰؑ کو ابنِ مریم اس لیے فرمایا کہ خدا کے بیٹے ہونے کی تردید ہوجائے۔ اور بیّنات سے مراد وہ تمام چیزیں ہیں جن کو دیکھ کر ہر عقل سلیم حقائق کی قائل ہوجائے۔ (روح)

انبیاء کے اوصاف : اصبغ بن نباتہ سے منقول ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے ایک روایت میں فرمایا کہ خداوند عالم نے انبیاء میں پانچ روحیں خلق فرمائی ہیں (۱) روح القدس (۲) روح الایمان (۳) روح الشہوۃ (۴) روح القوۃ (۵) روح البدن پس روح القدس کے ذریعے سے ان کو نبوت و رسالت عطا ہوئی اور اسی کی بدولت ان کو چیزوں کا علم حاصل ہوا۔

روح الایمان کے ذریعے سے انھوں نے اللہ کی عبادت کی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا۔

روح القوۃ کے ذریعے سے وہ دشمنوں سے جہاد کرتے رہے اور اسی سے اپنے معاشیات کا انتظام فرماتے تھے۔

روح الشہوہ کی وجہ سے انھوں نے بعض اوقات اچھا کھانا بھی کھایا اور جوان عورتوں سے نکاح بھی کیا۔

روح البدن کے ذریعے سے ان کے جسم کا نشو و نما ہوا۔ وہ پیدا ہوئے اور بڑے ہوئے

(تفسیر برہان)

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۲۵۴

(۲۵۴) اے ایمان لانے والو! وہ رزق جو کچھ ہم نے تم کو بخشا ہے، اُس میں سے کچھ (راہِ خدا میں) خرچ کرو، اِس سے پہلے کہ وہ دن آن پہنچے جس دن نہ تو کوئی (خرید و) فروخت ہی ہو سکے گی اور نہ کوئی دوستی کام آئے گی، اور نہ ہی کوئی سفارش چلے گی۔ اور وہی لوگ ظالم ہوتے ہیں جو (قیامت کے دن کیلئے راہِ خدا میں خرچ کرنے سے) انکار کرتے ہیں

(بقیہ از صفحہ ۱۸۵ آیت ۲۵۳) اصبغ بن نباتہ سے منقول ہے کہ ایک شخص نے امیر المومنینؑ سے پوچھا کہ یہ فرمایئے کہ جن سے ہم لوگ جنگ کر رہے ہیں ان کا اور ہمارا دین ایک، رسولؐ ایک، نماز، حج ایک تو ہم ان کے متعلق کیا اعتقاد رکھیں؟ آپؑ نے فرمایا: جب اختلاف واقع ہو گیا تو چونکہ ہم خدا و رسولؐ کے ساتھ اولیٰ ہیں لہٰذا ہم اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے مصداق ہیں اور وہ اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا کے مصداق ہیں پس ان لوگوں سے لڑنا مشیت و ارادۂ خداوندی سے ہے۔ یہ سن کر اس نے کہا کہ ربِ کعبہ کی قسم وہ لوگ یقیناً کافر ہیں۔ یہ کہکر ان سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گیا
(برہان میں امالی شیخ سے)

آیت ۲۵۴ : "اُس دن" سے مراد قیامت ہے۔ (مجمع البیان)

★ اُس دن خرید و فروخت کے ذریعے سے عملِ صالح حاصل نہیں کیا جا سکے گا، اور نہ دولت خرچ کرکے عذابِ خدا سے نجات حاصل ہو سکے گی۔ دوسری جگہ قرآن نے اس بات کو یوں کہا کہ "وہاں فدیہ کا کوئی امکان نہ ہو گا۔" (تفسیر صافی)

مقصد یہ ہے کہ صرف دنیا میں خیرات کرکے عمل کا ذخیرہ جمع کیا جا سکتا ہے اگر یہ موقع کھو دیا
(باقی صفحہ ۱۸۷ پر)

انفاق راہِ خدا میں خرچ کرنا آخرت کی بہترین تیاری ہے

www.drhasanrizvi.org

(بقیہ از صفحہ ۱۸۶ آیت ۲۵۴)

تو پھر پچھتانے اور عذاب الٰہی کو

کو بھگتنے کے سوا کوئی اور راستہ باقی نہ رہے گا۔ جیسا کہ خدا نے ارشاد فرمایا۔

" دنیا داری کی دوستیاں دشمنی میں بدل جائیں گی۔ سوائے متقین کے "

(سورۂ ۴۳ زخرف ۶۷)

★ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اُس دن دوستی کام نہ آئے گی اس لیے کہ ہر ایک کو خود اپنی پڑی ہوگی۔ (مجمع البیان)

★ جس سفارش کی یہاں نفی ہو رہی ہے، یہ وہ سفارش ہے جس کی خدا نے اجازت نہ دی ہو۔ ورنہ دوسری جگہ قرآن میں بتایا گیا ہے کہ: " کون ہے جو اُس کے یہاں سفارش کرے، مگر خدا کی اجازت سے "۔ (بقرہ ۲۵۵)

(جلالین)

آیۃ الکرسی کے خواص :

کتاب "عمدۃ البیان" میں ہے کہ :

(۱) ہر نماز کے بعد پڑھنا رزق کی زیادتی کا موجب ہے۔ (ہر نماز سے مراد نمازِ فریضہ پنجگانہ ہے)

(۲) صبح و شام پڑھنا، چور، ڈاکو، آتش زدگی وغیرہ سے حفاظت کا موجب ہے۔

(۳) ہر روز نمازِ فریضہ کے بعد پڑھنا سانپ بچھو، جن و انس کے شر سے حفاظت کا تعویذ بھی ہے۔

(۴) اگر اس کو لکھ کر کھیت میں دفن کیا جائے تو کھیت چوری اور ہر قسم کی آفات سے محفوظ رہے گا۔

(۵) دکان میں لکھ کر رکھی جائے تو باعثِ برکت ہے۔ (۶) گھر میں لکھ کر رکھی جائے تو چوری سے حفاظت اور جنت میں اپنی جگہ دیکھے۔ (۷) سوتے وقت ہر روز پڑھنا فالج سے حفاظت کا باعث ہے۔

www.drhasanrizvi.org

"آیۃ الکرسی" — "خدا کی قدرت علم اور عظمت کی معرفت"

اَللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۚ اَلۡحَیُّ الۡقَیُّوۡمُ ۬ۚ لَا تَاۡخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّ لَا نَوۡمٌ ؕ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَشۡفَعُ عِنۡدَہٗۤ اِلَّا بِاِذۡنِہٖ ؕ یَعۡلَمُ مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَ مَا خَلۡفَہُمۡ ۚ وَ لَا یُحِیۡطُوۡنَ بِشَیۡءٍ مِّنۡ عِلۡمِہٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ کُرۡسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ ۚ وَ لَا یَـُٔوۡدُہٗ حِفۡظُہُمَا ۚ وَ ہُوَ الۡعَلِیُّ الۡعَظِیۡمُ ﴿۲۵۵﴾

(۲۵۵) **اللہ** وہ پائندہ ذات ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو زندہ ہے، اور کائنات کا سنبھالنے والا ہے، نہ وہ سوتا ہے اور نہ اسے اونگھ آتی ہے، زمین و آسمانوں میں جو کچھ بھی ہے سب اُسی کا ہے ایسا کون ہے جو اُس کے سامنے اُس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش کر سکے؟ جو کچھ اُن (بندوں) کے سامنے ہے اُسے بھی جانتا ہے اور جو کچھ اُن سے چھپا ہوا ہے اُس سے بھی (واقف ہے) اور اُس کے علم میں سے کسی چیز کا بھی لوگ احاطہ نہیں کر سکتے سوا اِس کے کہ وہ خود اِس میں سے کسی چیز کا علم اُن کو دیدے۔ اُس کی کرسی (حکومت) سب آسمانوں اور زمین پر پھیلی ہوتی ہے اور اُن سب کی حفاظت اُس کیلئے (کوئی مشکل یا) تھکا دینے والا کام نہیں۔ (کیونکہ) وہ ذات ہی بہت بڑی، بلند مرتبہ اور عظیم الشان ہے۔ —— (۲۵۵)

آیت ۲۵۵ : [1] جنابِ رسولِ خدا صؐ نے ارشاد فرمایا کہ "ایک دفعہ موسیٰؑ کی قوم نے موسیٰؑ سے پوچھا کہ کیا خدا سوتا ہے؟ موسیٰؑ نے یہی سوال خدا سے پوچھا۔ تو خدا نے موسیٰؑ کو حکم دیا کہ [2] دو بوتلیں ہاتھوں میں لیے رہو اور ہرگز نہ سونا۔ حضرت موسیٰؑ نے ہر چند ضبط کیا لیکن نیند غالب آگئی اور بوتلیں گر کر ٹوٹ

www.drhasanrizvi.org

گئیں۔ خدا نے فرمایا: "موسیٰ! تم نیند میں دو بوتلوں کی حفاظت نہ کر سکے، اگر میں سو جاؤں تو ساری کائنات کی حفاظت کون کرے گا؟"

★ "کُرسی" سے مراد اقتدار ہے۔ علم بھی مراد لیا گیا ہے۔

(قاموس۔ لسان العرب جلد ۸ ۔ منتہی الادب ۔ بیان اللسان ص۶۴۵)

★ خدا کے زندہ ہونے کے معنی جسم رکھنے کے نہیں بلکہ زندگی کے تقاضے ہیں۔ مثلاً وہ علم ارادہ قدرت رکھتا ہے اس لیے اس کو زندہ کہا گیا۔ (تفسیر صافی) اور قیّوم شاید قائم کا مبالغہ ہے تو اس کے معنی زندہ اور برقرار رہنے والے کے ہیں (شاہ رفیع الدین و تاج العلماء) "قیّوم" کے دوسرے معنی کائنات کا نظام برقرار رکھنے والا، کائنات کو سنبھالنے والا بھی لکھے گئے ہیں۔ (شاہ ولی اللہ۔ جلالین۔ تفسیر صافی۔ مجمع البیان)

★ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ "یہودیوں کا خیال تھا کہ خدا زمین و آسمان کو پیدا کرنے کے بعد تھک کر کرسی پر ٹیک لگا کر ایک خاص انداز سے بیٹھ گیا اور آرام کرنے لگا قرآن نے اس تصور کی نفی کی، فرمایا" اور ہمیں تھکن کچھ بھی نہیں ہوئی" (الذاریات ۵۱ ۳۸)

۲ اس آیت سے شفاعت واضح طور پر ثابت ہے کیونکہ شفاعت کی نفی کے ساتھ ساتھ: "اِلَّا بِمَا شَآءَ" کا استثناء موجود ہے۔ (مجمع البیان)

اب صرف وہی لوگ شفاعت کر سکیں گے جن کو خدا نے لوگوں کے حالات کا علم اپنی طرف سے عطا فرمایا ہوگا۔ اس لیے محققین نے اس آیت سے انبیاء اور اولیاء کے علمِ غیب کو بھی ثابت کیا ہے۔ (فصل الخطاب۔ مجمع البیان)

www.drhasanrizvi.org

* آیت میں "آگے اور پیچھے" سے مراد ماضی اور مستقبل کا علم ہے۔ (البلاغی)

سے ۳ "کرسی" کے معنی میں اختلاف ہے۔ احادیث میں "کرسی" کے معنی علم بیان کیے گئے ہیں

(تفسیر صافی و مجمع البیان از امام محمد باقر علیہ السلام)

* دوسرے معنی یہ ہیں کہ عالم میں سب سے بلند مرکز عرش ہے۔ اب اس کے نیچے جو ہے وہ کرسی ہے۔ (مجمع البیان)

* لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہم نہ کرسی کی حقیقت کو سمجھ سکتے ہیں اور نہ عرش کی۔ اصل مقصد خدا کے احاطۂ علم کی وسعت کو بیان کرنا ہے اور اس طرح خدا کی عظمت اور کبریائی کا اظہار مقصود ہے

(زمخشری، نیشاپوری، البلاغی)

اسمائے الٰہی:

آیۃ الکرسی میں خدا کے چند خاص اسماء بہت اہم ہیں۔ (۱) "حیّ" یعنی زندہ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا مستقلاً زندہ ہے۔ ازلی و ابدی ہے۔ صفتِ حیات اس کی جزوِ ذات ہے۔ (۲) "قیّوم" کے معنی، وہ جو نہ صرف اپنی ذات سے قائم ہو بلکہ دوسروں کے قیام اور قائم رہنے کا سبب ہو۔ سب کو سنبھالے ہوئے ہو۔ سب اُس کے محتاج ہوں، وہ کسی کا محتاج نہ ہو۔ (راغب، تاج العلماء، ابنِ کثیر) (۳) عَلِیٌّ یعنی بلند یعنی تمام نقائص سے بلند اور پاک۔ شریک سے بلند۔ چیزوں کی مانند ہونے سے بلند (۴) عظیم یعنی جس کے مرتبے کی نہ حد ہو نہ اُس تک کوئی پہنچ سکے (روح بحر) سے آیۃ الکرسی نے شفاعت کو بھی ثابت کردیا۔ عیسائیوں نے نجات کا دار و مدار ہی شفاعت پر رکھا تھا اور مشرکوں نے خدا کے قانونِ مکافات (کرم) کے ضابطوں میں نجات کو بالکل جکڑ دیا تھا۔ اسلام نے درمیانہ راستہ اختیار کیا عمل بھی ضروری ہے اور شفاعت کی اُمید بھی

www.drhasanrizvi.org

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قف قَدْ (٢٥٦) تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ج فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ق لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ ٢٥٦

دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے (دین تو یہ ہے کہ) ہدایت کی بات کو گمراہی سے بالکل الگ کر کے ظاہر کر دیا گیا ہے۔ اب جو کوئی بھی "طاغوت" (ظالم و سرکش) کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آیا، تو اُس نے وہ مضبوط رسّی پکڑ لی جو کبھی ٹوٹ ہی نہیں سکتی اور اللہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے

اسلام میں جبر نہیں –

قرآن اور عترت خدا کی مضبوط رسّی ہے

آیت ٢٥٦ : اسلام کی یہ بھی ایک خصوصیت ہے کہ وہ دین کے معاملے میں کسی قسم کا جبر و اکراہ جائز نہیں سمجھتا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ خداوندِ متعال اسلام کو تلوار کے زور پر پھیلانا نہیں چاہتا اس لیے کہ کسی کو خوف زدہ کر کے کسی نظریے کا قائل کرنا درست نہیں کیونکہ تلوار سے سر تو جھک سکتا ہے لیکن دل نہیں جھک سکتا۔ اسی لیے کئی دیگر آیتوں میں بھی اس حقیقت کو بیان فرما دیا گیا ہے۔ مثلاً خداوند عالم کا ارشاد ہے: "اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ○" (سورۃ الدھر آیت ۳) ترجمہ (یقیناً ہم نے اُسے سیدھی راہ دکھا دی خواہ وہ شکر گذار بنے یا کافر و منکر بنے) دوسری جگہ ارشاد ہوا: "فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ" (پ۱۵ کہف ع۴) ✲ ترجمۂ آیت

ـہ "طاغوت" سے اوّلین معنی میں وہ لوگ مراد ہیں جنھوں نے حضرت محمدؐ و آلِ محمدؐ کا حق غصب کیا۔ (تفسیر صافی ص۷)

(باقی صفحہ ۱۹۲ پر)

ترجمۂ آیت ✲: جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کافر رہے۔

www.drhasanrizvi.org

۵ اور "عُرْوَةُ الْوُثْقٰى" یعنی "مضبوط رسّی" سے اوّلین معنی میں مراد آلِ محمدؐ کی محبت ہے جس کے لیے ٹوٹنا ہے ہی نہیں۔ کیونکہ: جناب رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا:

"جو کوئی یہ چاہے کہ وہ ایسی رسّی یا حلقے کو پکڑے جو کبھی نہ ٹوٹے، تو اُسے چاہیے کہ میرے بھائی اور میرے وصی علیؑ ابنِ ابی طالبؑ کی ولایت (یعنی) سرپرستی، دوستی، محبت اور اطاعت سے تعلق پیدا کرے۔ کیونکہ جو ایسا کرے گا خدا اُسے ہلاک نہیں ہونے دے گا۔ اور جو علیؑ سے دشمنی رکھے گا اُسے نجات نہ دے گا۔" (تفسیرِ صافی ص۱۷)

شانِ نزول:

"اس آیت کے" شانِ نزول میں اختلاف ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ کچھ انصار مسلمان ہو گئے تھے اور ان کی کچھ اولادیں مسلمان نہیں ہوئی تھیں تو وہ انصار جبراً اپنی اولادوں کو مسلمان بنانا چاہتے تھے جس سے اُن کو روک دیا گیا۔ (جلالین)

★ کوئی کہتا ہے کہ انصار اپنے حبشی غلاموں کو جبراً مسلمان بنانا چاہتے تھے، خدا نے ایسا کرنے سے روک دیا۔ (مجمع البیان)

آیت کا پیغام: غرض آیت کی تعلیم یہ ہے کہ خدا زبردستی مسلمان بنانے کو پسند نہیں فرماتا۔ کیونکہ اسلام تلوار سے پھیلانا جائز ہی نہیں۔ اس لیے مسلمانوں پر یہ الزام غلط ہے کہ انھوں نے اسلام کو تلوار سے پھیلایا۔ اگر کسی نے ایسا کیا، تو اس کی ذمّے داری اسلام پر عائد نہ ہوگی (فصل الخطاب)

"علیم" آخر میں خدا کا خود کو علیم یعنی ہر چیز کا جاننے والا فرمانا، بتاتا ہے کہ خدا کا علم

www.drhasanrizvi.org

انسان کے تمام اعمال پر پوری طرح حاوی ہے۔ اِس لیے اُس کو شفاعت کرنے والوں کی ضرورت اس لیے نہیں کہ اُس کا علم ناقص ہے۔ شفاعت کی اجازت دینا یہ صرف خدا کے فضل و کرم اور رحمت کا اظہار ہے۔ خود کرسی سے مراد بھی علمِ الٰہی کو لیا گیا ہے۔

(ابنِ جریر از ابنِ عباسؓ۔ کشاف، قاموس، راغب، تفسیر کبیر، معالم)

نیز یہ کہ کرسی سے مراد سلطنت، قدرت اور ملک بھی ہے۔

(تفسیر کبیر، معالم، کشاف)

نتائج: (۱) دین کے معنی عقیدۂ قلب۔ اور دل پر جبر کیا ہی نہیں جا سکتا۔ ثابت ہوا کہ ایمان کا تعلق اپنے ارادے اور اختیار سے ہے۔ دین و ایمان میں جبر نہیں۔

(کشاف، روح، بحر)

(۲) عروۃ الوثقیٰ، یعنی مضبوط حلقہ (۱) خدا کا دین بھی مراد ہے جو نبی اور امام ہی کے ذریعے سے حاصل ہوتا ہے۔ (۲) خدا سے تعلق بھی مراد ہے جو خدا، رسولؐ اور امامؑ کی اطاعت ہے۔

(۳) جناب امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ حضرت رسولِ خدا اپنی اُمت میں ایک کتابِ خدا اور دوسرے اپنا وصی علیؑ ابنِ ابی طالبؑ کو چھوڑ گئے۔ جو امیر المومنین، امام المتقین، حبل اللہ المتین العروۃ الوثقیٰ اور عہد مؤکد ہیں۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھی ہیں اور ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں، ان میں سے ہر ایک دوسرے کا مصداق ہے۔ (تفسیر برہان)

بطریقِ اہلِ سنت۔ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے منقول ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو فرمایا۔ "اَنْتَ العروۃ الوثقیٰ" "تم ہی مضبوط رسی یا حلقہ ہو۔" (الحدیث) (تفسیر برہان)

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۬ۙ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (۲۵۷)

اللہ تو اُن لوگوں کا سرپرست، حامی اور مددگار ہے[۱] جو (اُس پر) ایمان لے آئے۔ وہ اُن کو (گمراہی کی) تاریکیوں سے (ہدایت کی) روشنی میں نکال لاتا ہے، اور جو لوگ (خدا کے) انکار و کفر کا راستہ اختیار کرتے ہیں اُن کے سرپرست، حامی اور مددگار "طاغوت" ہیں جو انھیں (ہدایت کی) روشنی سے (گمراہی اور سرکشی کے) اندھیروں میں کھینچ لے جاتے ہیں۔[۲] یہی لوگ تو جہنمی ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو اُس میں ہمیشہ رہیں گے ــــــ (۲۵۷)

آیت ۲۵۷ : ـ: نُور سے مراد محمدؐ و آلِ محمدؐ ہیں :ـ

★ ۲ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا نے ارشاد فرمایا "نُور" یعنی روشنی سے اوّلین معنی میں مرادِ محمدؐ و آلِ محمدؐ ہیں اور اندھیروں سے مراد اُن کے دشمن یا اُن سے دشمنی ہے۔" (تفسیر صافی ص۱ بحوالہ الکافی)

★ ۱ "ولی" کے معنی رفیق، دوست، پشت پناہ، سرپرست، متولّی، مددگار کے ہیں۔

(بیضاوی، ابن جریر، روح)

★ غرض ولی اتنا جامع لفظ ہے کہ اس کا ترجمہ سرپرست پورا مفہوم ادا نہیں کرتا ـــــ

(باقی صفحہ ۱۹۵ پر)

www.drhasanrizvi.org

ولی کے مصدر کے معنیٰ ایسی نزدیکی کے ہیں جس میں کوئی فاصلہ نہ ہو۔ اور ولی وہ ہے جو دوسروں سے اولیٰ ہو اور ان کے انتظام اور سرپرستی کا زیادہ حقدار ہو۔ یہ لفظ واو۔ لام۔ ی سے مشتق ہے۔ اس سے "والی" بھی نکلا ہے جس کے معنی حاکم اور صاحبِ اختیار کے ہوتے ہیں۔ "متولّی" بھی اسی سے بنا ہے جس کے معنی انتظام کا ذمّے دار بنانا ہوتے ہیں

(مجمع البیان از علامہ طبرسی)

★ یہاں "ولی" کے معنی بگڑی بنانے والا، آڑے وقت کام آنے والا، کے بھی ہیں جو اللہ ہی ہے۔ (ماجدی)

۲ اللہ کا اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لانے کے معنی مجبور کرنا نہیں، بلکہ نیکی کے محرّکات اور ہدایات فراہم کرنے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ خدا نے مومنین کو کفر و ظلم کے اندھیروں سے بچایا اور طاغوت نے انھیں یہ نور حاصل نہ کرنے دیا۔ جس طرح کہ عرب کہتے ہیں " اسے اس کے باپ نے میراث سے نکال دیا۔" یعنی اس کو میراث نہ ملنے دی۔

(مجمع البیان۔ فصل الخطاب)

★ محققین نے نتیجہ نکالا کہ خدا کا ہر بندہ اگر ایک لمحے کے لیے بھی خدا کی توفیقات اور توجہات سے محروم ہو جائے تو وہ جہالتوں اور گمراہیوں کے اندھیروں میں کھو جائے گا۔ خدا کی توفیقات ان اندھیروں کو دور کرتی ہیں یا ہٹا دیتی ہیں۔ جیسا کہ خود قرآن میں ارشاد ہوا: " تم جہنّم کی آگ کے کنارے پر تھے تو خدا نے تم کو بچا لیا۔" ظاہر ہے کہ اس آیت کا مطلب یہ نہیں کہ تم جہنّم کے اندر تھے۔ اسی طرح خدا کا مومنوں کو اندھیروں سے نکالنے کے معنیٰ یہ نہیں کہ

www.drhasanrizvi.org

وہ اندھیروں میں تھے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ خدا نے مومنوں کو کفر و گمراہی کے اندھیروں سے بچائے رکھا۔

پیغمبرِ اسلام ص نے کسی آدمی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ: "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں" فرمایا: یہ فطرت کے تقاضوں پر قائم ہے۔" پھر اُس شخص نے کہا: "میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں"۔ تو رسولِ خدا ص نے فرمایا: "بس یہ آگ سے نکل آیا"۔ ظاہر ہے کہ وہ آگ کے اندر تو نہ تھا۔ (غرائب القرآن علامہ نیشاپوری)

* "طاغوت" کا اردو ترجمہ مشکل ہے۔ قریب ترین لفظ شیطان کا ہے۔ لیکن اس میں ہر معبودِ باطل، حاکمِ جابر اور سرکش ظالم شامل ہے۔ (راغب، روح، بحر)

* عبداللہ ابن ابی یعفور نے امام جعفر صادق ع سے عرض کیا کہ جو لوگ آپ سے تولّا نہیں کرتے اور فلاں فلاں سے دوستی رکھتے ہیں ان میں امانت سچائی اور وفاداری پائی جاتی ہے جبکہ آپ سے تولّا رکھنے والوں میں یہ اوصاف نہیں ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ یہ سنتے ہی امام سیدھے ہو بیٹھے اور غصّے سے میری طرف متوجّہ ہو کر فرمایا: "جو شخص ظالم امام کی ولایت کا قائل ہو جو خدا کی طرف سے نہیں ہے اُس کا کوئی دین نہیں ہے اور جو شخص امامِ عادل منصوص من اللہ کی ولایت کا قائل ہو اس پر کوئی عتاب نہیں۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ ..... اِلَی النُّوۡرِ ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا اُن کو گناہ کی تاریکیوں سے نکال کر توبہ اور بخشش کی نورانیت کی طرف منتقل کر دیتا ہے کیونکہ وہ امامِ عادل سے تولّا رکھتے ہیں جو امام اللہ کی طرف سے منصوص تھا۔ اور خدا فرماتا ہے" وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا ..... مِنَ النُّوۡرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ ۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ پہلے نورِ اسلام میں تھے لیکن جب اُنھوں نے امامِ ظالم کو اپنا امام مان لیا جو اللہ کی طرف سے نہ تھا۔

(باقی صفحہ ۱۹۷ پر)

www.drhasanrizvi.org

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرٰهِيمَ (۲۵۸)
فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ م
إِذْ قَالَ إِبْرٰهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي
يُحْيِي وَيُمِيتُ لا قَالَ أَنَا أُحْيِي
وَأُمِيتُ ط قَالَ إِبْرٰهِيمُ فَإِنَّ
اللّٰهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ
فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ
الَّذِي كَفَرَ ط وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الظّٰلِمِينَ ۝ ج ۲۵۸

وقف لازم

کیا تم نے اُس شخص[1] (کی حالت) کو نہیں دیکھا جو ابراہیمؑ سے اُن کے رب کے بارے میں جھگڑا؟ (صرف اِس لیے) کہ اس کو خدا نے حکومت دے دی تھی۔ جب ابراہیمؑ نے کہا کہ میرا پالنے والا تو وہ ہے جو زندگی اور موت پر اختیار رکھتا ہے۔ تو اُس نے جواب دیا، میں بھی زندگی اور موت پر اختیار رکھتا ہوں۔ ابراہیمؑ نے کہا، اچھا، خدا تو وہ ہے جو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے، تُو ذرا اس کو مغرب سے نکال کر لے آ۔ (یہ سن کر) وہ منکرِ حق ہکا بکا رہ گیا (مگر ایمان نہ لایا) خدا ظالموں کو ہدایت (کی توفیق ہی) نہیں دیتا ———— (۲۵۸)

(بقیہ از صفحہ ۱۹۶) : تو وہ اُن کی ولایت کی وجہ سے نورِ اسلام سے نکل کر کفر کی تاریکی میں چلے گئے لپس خدا نے کفار کے ساتھ ان پر بھی جہنم واجب کر دیا پس وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا سے مراد عام کافر نہیں ہیں (برہان)

آیت ۲۵۸ : [1] یہ نمرود تھا جو خدائی کا دعویٰ کیے ہوئے حضرت ابراہیمؑ سے بحث کر رہا تھا (مجمع البیان)

★ حضرت ابراہیمؑ نے اُس سے سورج کو مغرب سے نکالنے کا ایسا مطالبہ کیا جس میں وہ کوئی دھاندلی نہیں کر سکتا تھا اور اس طرح اُس کو لاجواب ہو کر مبہوت ہونا پڑا۔ (آلاء الرحمٰن) ...

(باقی صفحہ ۱۹۹ پر)

www.drhasanrizvi.org

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی (۲۵۹)	یا (پھر) اُس شخص کی طرح جو ایک بستی
قَرْیَةٍ وَّهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی	سے گذرا، جو (بستی) اپنی چھتوں پر
عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰی یُحْیٖ	اوندھی گری پڑی تھی تو اُس نے کہا: "یہ
هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ	(آبادی جو) مرچکی ہے اِسے اللہ کیسے
فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ	دوبارہ زندہ کرے گا؟" اِس پر اللہ نے
ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ	اُس کو موت دے دی اور وہ سو برس
لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ	تک (مردہ حالت میں) پڑا رہا۔ پھر اُس
یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ ؕ قَالَ	کو زندہ کر اُٹھایا، پھر اُس سے پوچھا:
بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ	"تم کتنی دیر پڑے رہے؟" اُس نے
عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰی	عرض کیا: "ایک دن یا ایک دن سے بھی کم"
طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ	خدا نے فرمایا: "(نہیں) بلکہ تم پر تو سو
لَمْ یَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ	برس گذر چکے ہیں۔ ذرا اپنے کھانے اور
اِلٰی حِمَارِكَ	پانی کو دیکھو کہ وہ ذرا بھی خراب نہیں ہوئے
وَلِنَجْعَلَكَ	ہیں، جبکہ اپنے گدھے کو دیکھو (کہ وہ سڑ گل
اٰیَةً لِّلنَّاسِ	کر خاک ہو چکا ہے) اور یہ سب ہم نے
وَانْظُرْ اِلَی	اس لیے کیا ہے تاکہ ہم تم کو لوگوں کیلئے اپنی
الْعِظَامِ	ایک نشانی بنا دیں۔ اچھا اب ہڈیوں کو دیکھو

رجعت: یعنی موت کے بعد زندہ ہونے کا ثبوت

www.drhasanrizvi.org

كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ ۙ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٥٩﴾

کہ ہم ان کو کس طرح اٹھا کر اس پر گوشت (پوست) چڑھاتے ہیں۔ جب یہ (سب کچھ) اس پر ظاہر ہو گیا تو وہ پکار اٹھا: "اب میں پوری طرح جان گیا کہ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔" (۲۵۹)

(بقیہ از صفحہ ۱۹۷ آیت ۲۵۸): آخر میں جو ظالمین کی ہدایت کی نفی ہو رہی ہے۔ تو یہاں ہدایت کے معنی راستہ دکھانے کے نہیں، بلکہ اس کے معنی، منزل تک پہنچانے کے ہیں۔ ظالموں کو ان کے ظلم کی وجہ سے ایسی توفیقات سے محروم کر دیا جاتا ہے کہ جن کے سبب وہ نجات کی منزل تک پہنچ سکیں۔ خدا نے فرمایا: "جو ہمارے راستے میں جدوجہد کرتے ہیں، ہم خود انھیں اپنے راستوں پر لگا دیتے ہیں۔" (سورۂ روم - ۶۹)

★ یہ خود بہت بڑا ظلم ہے کہ نبیؐ کی بات نہ سنیں اور اس کا مذاق اڑائیں۔ (بلاغ)

★ محققین نے نتیجہ نکالا کہ ضرورت کے وقت مناظرہ جائز ہے۔ (جصاص)

آیت ۲۵۹: یہ واقعہ حضرت ارمیاہ کا ہے۔ (تفسیر قمی، تفسیر مجمع البیان از امام محمد باقرؑ در رج)

★ یہ واقعہ حضرت عزیرؑ سے متعلق ہے۔ (تفسیر برہان، ابن جریر، قتادہ، سدی، از ابن عباس و عبداللہ بن سلام)

★ ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ دو دفعہ ہوا ہو۔ (تفسیر صافی ص ۲)

★ نیز اس واقعے کی نسبت یروشلم بیت المقدس سے ہے جو بخت نصر کے ہاتھوں تباہ ہوا تھا ۵۸۶ ق م (بحر)

★ واقعہ یہ ہے کہ جب بخت نصر نے یہودیوں کا قتل عام کیا تو حضرت ارمیاہ یا حضرت عزیرؑ

www.drhasanrizvi.org

کا اُدھر سے گذر ہوا، تو اُنھوں نے دل میں سوچا کہ ایسا اُجڑا ہوا شہر بھی بھلا کبھی آباد ہو سکتا ہے ؟ اس پر اللہ نے اُن پر موت وارد کر دی۔ وہ سو سال تک مرے رہے۔ جب زندہ ہوئے تو بیت المقدس آباد ہو چکا تھا۔ گھر آئے تو اُن کے پوتے بوڑھے ہو چکے تھے اسطرح خدا نے اُن کو بتایا کہ خدا قیامت کے دن سب کو زندہ کرنے پر قادر ہے۔

(تفسیر قمی، تفسیر مجمع البیان، تفسیر برہان و تفسیر کبیر)

حیاتِ امام مہدیؑ پر دلیلِ قرآن : مذکورہ بالا قصہ جس کو قرآن نے بیان فرمایا ہے اس قدر یقینی ہے کہ جس قدر قرآن ؛ نبی کے نام میں اختلاف ضرور ہے۔ خواہ وہ حضرت عزیرؑ ہوں یا حضرت ارمیاہؑ ہوں۔ بہر حال سو سال مردہ رہنے کے بعد زندہ ہوئے، خداوندِ عالم کو قدرت حاصل ہے کہ ایک طویل عرصے تک مردہ رکھنے کے بعد کسی کو زندگی بخشے جو خدا ابتداً تمام کائنات کو بغیر مادّہ کے پیدا کرنے پر قادر ہے اس کے لیے دوبارہ زندہ کرنا، کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ ایسے واقعات سے عقیدۂ رجعت کو بھی تقویت ملتی ہے۔ علاوہ ازیں اصحابِ کہف جو ابھی تک زندہ ہیں تو حضرت امام مہدیؑ کی طویل حیات پر شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے

✱ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے سب سے آخری یعنی چودھویں ایڈیشن میں یہ اعتراف کیا گیا ہے کہ نصف صدی پہلے اِن قصّوں کو جیسا بے اصل اور نامعتبر سمجھ لیا گیا تھا، یہ خیال اب مزید تحقیق سے باقی نہیں رہا۔ نمرود سے متعلق قصہ بھی اب ثابت ہو چکا ہے۔

(جلد ۱۳، صـ ۱۶۵ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا)

www.drhasanrizvi.org

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰی وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىِٕنَّ قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۠ (۲۶۰)

(یا پھر وہ واقعہ یاد کرو) جب ابراہیمؑ نے کہا (تھا) "میرے پالنے والے! مجھے دکھا دے کہ تو مُردوں کو کیسے زندہ کر دیتا ہے؟" (خدا نے) فرمایا: "کیا تم کو اس کا یقین نہیں؟" (ابراہیمؑ نے) عرض کی: "(یقین تو) ہے مگر اس لیے کہ میرے دل کو پورا اطمینان ہو جائے۔" (خدا نے) فرمایا: "اچھا تو چار پرندے لو اور اُن کو اپنے پاس منگوا لو، پھر (اُنکے ٹکڑے ٹکڑے کرکے) اُن کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دو۔ اس کے بعد اُن کو بُلاؤ تو وہ تمھارے پاس دوڑتے چلے آئیں گے (اور اس طرح) سمجھ لینا کہ خدا بیشک بڑا غالب اقتدار والا، حکمت و دانائی والا ہے۔ (۲۶۰)

حضرت ابراہیمؑ کو اطمینانِ قلب حاصل ہونا

آیت ۲۶۰: اہلِ لطائف و اشارات نے حضرت ابراہیمؑ کے قصے سے درجِ ذیل نتائج اخذ فرمائے:
(۱) اللہ تعالیٰ سے کشفِ حقائق کا سوال جائز ہے (۲) مقبولین کو جو مشاہدات ہوتے ہیں اُن سے مراتبِ عرفان میں ترقی ہوتی ہے (۳) جس کے نتیجے میں خدا سے تقرب اور اعزاز میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ (۴) ایسے سوالات ہمیشہ بے اعتقادی یا ایمان کی کمی سے پیدا نہیں ہوتے (۵) ایمان و یقین میں اضافہ ممکن ہے (۶) ایمان بڑھتے بڑھتے اطمینانِ قلب پیدا ہو جاتا ہے (۷) ترقی کبھی مشاہدے اور معائنے سے ہوتی ہے اور کبھی محض وجدان سے (۸) عدمِ سکون کی کیفیت ایمان و عرفان کے منافی نہیں۔ (۹) "صفحہ ۲۰۳ پر ملاحظہ فرمائیے۔"

www.drhasanrizvi.org

(بقیہ از صفحہ ۲۰۱) (۹) حضرت ابراہیمؑ کو طمانینت کا وہ درجہ درکار تھا جو درجۂ نبوت و امامت کے مناسب ہو۔ ورنہ صدیقیت اور ولایت کے درجے کی طمانینت تو اُن کو پہلے ہی سے حاصل تھی۔

اعتراض حضرت امام رضا علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں کچھ شک تھا؟ فرمایا: "نہیں، حضرت ابراہیمؑ کو یقین تھا کہ اللہ مردوں کو زندہ کرے گا مگر اُنھوں نے یہ چاہا کہ خدا اُن کے یقین کو اور زیادہ مضبوط کر دے۔" (تفسیر صافی ص۲۳ بحوالہ تفسیر عیاشی)

★ حضرتِ ابراہیمؑ کو مُردوں کے زندہ ہونے کے اصل عقیدے میں کوئی شک نہ تھا، بلکہ اُس کیفیت کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا مقصود تھا۔ (مجمع البیان)

★ خدا نے سوال جواب کر کے اس حقیقت کو واضح کر دیا۔ (جلالین)

★ خدا کے سوال و جواب سے ظاہر ہو گیا کہ اطمینان اور یقین کے مراتب ہوتے ہیں اور یقین میں اضافے کی خواہش شانِ نبوّت کے خلاف نہیں۔ یہاں تک کہ جناب رسولِ خداؐ کی یہ دعا تھی کہ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا مالک! میرا علم بڑھا دے۔ (فصل الخطاب)

سوال کا مقصد تاج العلماء نے لکھا کہ حضرت ابراہیمؑ کا مقصد یہ تھا کہ "میرا دل مطمئن ہو جائے کہ تو نے مجھے اپنا دوست بنایا کہ نہیں۔ (تاج العلماء)

★ سارے مفسرین کا اتّفاق ہے کہ یہاں ذبح کر کے پارہ پارہ کرنا مراد ہے۔

(تفسیر کبیر، بحر از ابن عباسؓ، حسن بصری، سعید بن جبیر و اکثر تابعین۔ ابن کثیر)

www.drhasanrizvi.org

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ (۲۶۱) جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خیرات
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ کرتے ہیں اُن کی (خیرات کی) مثال ایک
اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ دانے کی سی ہے (جب اُسے بویا جائے تو) اُس
سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ سے سات بالیاں نکلیں اور ہر ہر بالی
يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ میں سَو (سَو) دانے ہوں۔ اِسی طرح اللہ
وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ ۲۶۱ جسے چاہتا ہے بڑھا چڑھا کر عطا فرماتا ہے[1]
خدا تو بڑی وسعت دینے والا واقف کار ہے۔[2]

آیت ۲۶۱: اس آیت سے اہلِ لطائف و اشارات نے دو نکتے پیدا کیے ہیں۔ (۱) اپنے مصارفِ خیر کی حفاظت بھی اہلِ زراعت کی طرح کرتے رہنا چاہیے۔ ریاکاری، نمائش، تکبر، تکلیف پہنچانے، احسان رکھنے سے اپنی نیکیوں کو بچائے رہنا ضروری ہے (۲) جس طرح زراعت میں پیداوار مختلف ہوتی ہے اسی طرح اجر بھی حسنِ قبول کے درجات میں مختلف ہوتا ہے۔

★ خدا کی یہ مثال بالکل فرضی بھی نہیں ہے۔ کیونکہ خدا نے گیہوں کی مثال نہیں دی، اس میں ہر قسم کا غلّہ شامل ہے۔ بعض اجناس میں سَو کے لگ بھگ دانوں کی تعداد مشاہدے میں آئی ہے (نیشاپوری)

[1] اور خدا کا یہ فرمانا کہ "اللہ جس کیلئے چاہتا ہے اور بڑھاتا ہے" تو خدا کا چاہنا بلاوجہ نہیں ہوتا، اس لیے کہ وہ حکیم بھی ہے۔ خدا کے بڑھانے کا تعلق ہمارے خلوصِ دل، موقع کی نزاکت، کام کی اہمیت اور مشکلات اور نتائج سے ہوتا ہے۔ کیونکہ خدا استحقاق کے مطابق بڑھاتا ہے۔ (تفسیر صافی)

(باقی صفحہ ۲۰۴ پر)

راہِ خدا میں خرچ کرنے کا اجر و ثواب

www.drhasanrizvi.org

(بقیہ از صفحہ ۲۰۳ :) اسی لیے آخر میں خدا نے اپنے لیے دو الفاظ فرمائے (۱) واسع (۲) علیم "واسع" کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں ہے۔ وہ جتنا چاہے بڑھا سکتا ہے اور علیم کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہمارے درجۂ استحقاق سے واقف ہے، ہماری نیتوں، ارادوں، مشکلوں کو جانتا ہے۔ اس لیے یہ چاہتا ہے کہ کس کا انفاق کتنے اضافے کا حقدار ہے۔ (مجمع البیان)

اللہ "واسع" ہے یعنی اس کی وسعتوں کی کوئی انتہا نہیں، اس لیے یہ کبھی نہ سمجھنا چاہیے کہ عطا اور بخششوں سے خدا کے خزانوں میں کوئی کمی ہو جائے گی اور "علیم" یعنی ہر چیز کا جاننے والا۔ اس لئے کبھی یہ نہ سمجھنا کہ کوئی بھی مستحق اپنے اجر سے ذرہ برابر بھی محروم رہ جائے گا۔

اس سلسلے میں ایک روایت کی تلخیص پیشِ خدمت ہے۔ (از تفسیر انوار النجف صفحہ ۱۵۴ جلد ۳)

حضرت امیر المومنینؑ نے عبداللہ بن عوف سے ایک دینار بطور قرض طلب فرمایا، انھوں نے سو دیناروں کی ایک تھیلی بطور صدقہ کے پیش کی۔ آپؑ نے فرمایا کہ جناب رسولِ خدا کا ارشاد ہے کہ "دینے والا ہاتھ لینے والے سے بہتر ہے۔" پس میں کسی کا احسان مند نہیں ہونا چاہتا۔ تم مجھے قرض دے دو کیونکہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ صدقے کا ثواب ایک کا دس گنا ہے اور قرضے کا ثواب اٹھارہ گنا ہے پس آپؑ ان سے ایک دینار قرض لے کر روانہ ہو گئے، راہ میں مقداد سے ملاقات ہو گئی۔ آپؑ نے پوچھا اے مقداد! ایسی گرمی میں کیسے گھر سے نکلنا ہوا؟ عرض کیا کہ حضور چار روز سے فاقہ ہے۔ چنانچہ آپؑ نے وہ دینار مقداد کے حوالے کیا کہ تم مجھ سے زیادہ مستحق ہو۔ میرے گھر تین دن سے فاقہ ہے۔ دوسرے دن ایک سوار آیا، حضرت علیؑ کو ایک تھیلی پیش کی اور غائب ہو گیا آپؑ وہ تھیلی لیکر آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش ہوئے اور ماجرا کہہ سنایا۔ اس تھیلی میں سات سو دینار تھے آنحضرتؐ نے فرمایا "اے علیؑ! جبرئیل بحکم خدا آئے تھے اور یہ تھیلی اُس ایک دینار کا عوض ہے جو تم نے کل مقداد کو دیا تھا۔" اس کے بعد آپؑ نے ایک دینار قرض خواہ کو واپس کر دیا۔ اور باقی اہلِ بیت اور فقراء پر تقسیم کر دیا۔ (تفسیر انوار النجف)

www.drhasanrizvi.org

اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی شرائط

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ ۲۶۲

(۲۶۲) جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر اس (خیرات) کے بعد احسان نہیں جتاتے اور نہ (اُن کو) ستاتے ہیں[1]، تو اُن کا اجر (وثواب) اُن کے رَبّ کے پاس ہے، تو اُن کے لیے نہ تو کوئی خوف ہی ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔

آیت ۲۶۲ : [1] حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا نے ارشاد فرمایا کہ: "جس شخص نے بھی کسی مومن کے ساتھ نیکی کی اور پھر اس کا احسان جتلایا یا کچھ کہہ کر اُسکی دل آزاری کی، تو اللہ اُس کے اُس صدقے یا نیکی کو برباد کردے گا۔" (تفسیر مجمع البیان، تفسیر صافی، تفسیر قمی)

★ نیکی کر کے احسان جتانا یعنی اُس کے مُنہ پر یا کسی سے یہ کہدینا کہ ہم کیسے بُرے وقت کام آئے تھے، اُس نیکی کو جلا کر راکھ کر دیتا ہے۔ (تفسیر صافی)

★ اس سے بُری صورت یہ ہے کہ جس کے ساتھ نیکی کی تھی اُس کا دل کسی طرح سے دُکھایا جائے۔ مثلاً ایسے لوگوں کے سامنے اپنی نیکی کا ذکر کیا جائے جن پر وہ اپنی حالت کو ظاہر ہونا پسند نہیں کرتا، اُن پر اپنی عزت قائم رکھے ہوئے ہے۔

(تفسیر صافی، مجمع البیان، فصل الخطاب)

www.drhasanrizvi.org

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ (۲۶۳) نرمی سے جواب دینا[1] اور کسی کو معاف
مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ط کر دینا اُس خیرات سے (کہیں) بہتر ہے
وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ۲۶۳ ○ جس کے بعد تکلیف دی جائے (کیونکہ) اللہ
غنی[2] (بے نیاز، بے پرواہ) ہے " اور " برداشت کرنے والا بھی ہے ـــــ (۲۶۳)

آیت ۲۶۳ : [1] قولِ معروف یعنی اچھی بات، معذرت کے نرم الفاظ کہو، اُس کے اصرار کو معاف کر دو محققین نے نتیجہ نکالا کہ خیرات مقصود بالذات نہیں۔ مقصود قلب کی اصلاح ہے۔

★ آیت کا مطلب یہ ہے کہ سوال کرنے والے کا سوال اگر پورا نہیں کر سکتے تو اچھی سی کوئی بات ہی کہہ دو مناسب الفاظ میں معذرت کر لو۔ اس کے اصرار اور سختی کو برداشت کرتے ہوئے معاف ہی کر دو۔ ایسی معذرت اور برداشت مغفرتِ گناہ کا باعث ہوتی ہے اور اس احسان سے بہرحال بہتر ہے کہ جس کے بعد اس کا دل دکھایا جائے۔ (بلاغی - فصل الخطاب)

★ مطلب یہ ہے کہ اللہ کو ایسی خیرات کی ضرورت ہی نہیں جس کے بعد سائل کا دل دکھایا جائے اس لیے خدا ایسی خیرات یا نیکی کو قبول ہی نہ کرے گا، البتہ وہ برداشت کرنے والا بھی ہے اس لیے کہ تمہارے اس جرم پر فوراً سزا نہیں دیتا کہ شاید تم اپنے اس عمل پر شرمندہ ہو کر اپنی اصلاح کر لو (مجمع البیان)

[2] اہلِ اشارات نے نتیجہ نکالا کہ خدا حلم سے کام لے کر تمہاری غلطیوں کو معاف کرتا ہے۔ اس لیے تمھیں بھی سائل کی تلخ کلامی کو معاف کر دینا چاہیے۔ (بلاغی)

★ غنی وہ ہوتا ہے، جو تمہارا مال تمہارے ہی فائدے کیلئے خرچ کرتا ہے اور جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے وہ اپنے ہی دائمی نفع کیلئے خرچ کرتا ہے ورنہ خدا تمہارے مال کا محتاج نہیں اور خدا کے حلیم ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ قانون توڑنے

(باقی ص ۲۰۷ پر)

www.drhasanrizvi.org

خیرات دے کر ستانے اور احسان جتانے کا انجام

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا (۲۶۴) اے ایمان لانے والو! اپنی خیرات کو
صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى
كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ
النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
الْاٰخِرِ ۭ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ
عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ
فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ
عَلٰي شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ
لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۲۶۴

احسان جتا کر اور (سائلوں کو) اذیت دے کر، اُس شخص کی طرح برباد نہ کردو جو اپنا مال صرف لوگوں کے دکھاوے کے لیے خیرات کرتا ہے[1] اور نہ تو اللہ پر ہی ایمان رکھتا ہے اور نہ آخرت پر۔ اُس کی خیرات کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چٹان جس پر مٹی کی تہ جمی ہوئی ہو، اُس پر جب زور کی بارش برسی تو تمام مٹی بہ گئی اور صاف چکنی چٹان رہ گئی۔ ایسے لوگ جو نیکی بھی کماتے ہیں اُس سے اُن کو کچھ بھی ہاتھ نہیں آتا، تو ایسے منکرینِ حق کو خدا (بے ریا اور خلوصِ دل سے خیرات کرنے کی) ہدایت ہی نہیں کرتا۔ (۲۶۴)

(بقیہ از ص ۲۰۶) والوں، خیرات نہ دینے والوں، حقوق غصب کرنے والوں اور دولتمندوں کی کنجوسی اور بددماغی کو ایک مدت تک معاف کرتا رہتا ہے اور ان کو اصلاح کی مہلت پر مہلت دیتا رہتا ہے۔

آیت ۲۶۴: [1] احسان جتانے اور دل دکھانے کے بعد خیرات یا نیکی کو باطل کر دینے والی تیسری چیز لوگوں کو دکھانے کی نیت سے اچھے اچھے کام انجام دینا ہے، کیونکہ ریاکاری ایمان کے تقاضے کے خلاف ہے (تفسیر صافی) کیونکہ اگر کوئی شخص واقعاً خدا اور آخرت کو دل سے مانتا ہے، تو کسی اور مقصد کو سامنے نہیں رکھ سکتا۔ (فصل الخطاب)

* دکھاوے کے عمل کو پتھر کے غبار سے تشبیہ دی ہے کہ بارش سے وہ غبار غائب ہو جاتا ہے، اسی طرح دکھاوے کا عمل آخرت میں غائب ہو جائے گا (صافی)

www.drhasanrizvi.org

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ (۲۶۵) اور جو لوگ خدا کی خوشی کی تلاش میں
ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا اپنے مال خیرات کرتے ہیں اُن کی مثال (ایسے
مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ (ہرے بھرے) باغ کی سی ہے جو بلندی پر ہو اور
اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا اُس پر اگر زور سے پانی برسے تو دوگنا پھل دے
ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا اور اگر زور کی بارش نہ بھی ہو تو صرف ایک
وَابِلٌ فَطَلٌّ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا ہلکی سی پھوار ہی (اُس کے پھلنے پھولنے کیلئے)
تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۲۶۵ بہت کافی ہو۔ (غرض) تم جو کچھ بھی کرتے
ہو وہ (سب کا سب) اللہ کی نظر میں ہے۔

آیت ۲۶۵ : یہ مؤمن مخلص کے اعمال کی ایک مثال ہے کہ جس طرح بلند خطّہ کی بہتر زمین کا باغ ہر حال میں خوب پھلتا ہے خواہ بارش کم ہو یا زیادہ ایسے ہی با اخلاص مومن کا صدقہ اور انفاق خواہ کم ہو یا زیادہ ہو اللہ تعالیٰ اس کو بڑھاتا ہے اور تمھاری نیّت و اخلاص کو جانتا ہے۔ (قرآنِ عظیم احمد رضا خاں بریلوی)

★ برائی کی طرح اچھائی کی بھی یہ خصوصیت ہے کہ ہر اچھائی دوسری اچھائیوں کی طرف کھینچ لے جاتی ہے۔ ایک نیکی انجام دینے کے بعد دوسری نیکی کی طرف رغبت پیدا ہوتی ہے۔ ہر عمل کی تکرار سے فطرتِ انسانی میں ایک ملکہ پیدا ہو جاتا ہے اور بار بار تکرار سے وہ ملکہ راسخ ہوتا چلا جاتا ہے اور اس اچھے کام سے روکنے والی طاقت کمزور پڑ جاتی ہے۔

محققین نے نتیجہ نکالا کہ عملِ صالح سے جس طرح حصولِ اجر مقصود ہوتا ہے اسی طرح اصلاحِ نفس بھی

اللہ کی خوشی حاصل کرنے کے لیے اس راہ میں خرچ کرنے کا اجر اور اس کی مثال :

www.drhasanrizvi.org

مقصود ہوتی ہے۔ خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے سے ایمان، ثابت قدمی اور اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

★ دوسرے معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ اُن کے دل اللہ کے فضل و کرم اور ثواب پر مطمئن ہیں۔ وہ مال دینے کو نقصان نہیں سمجھتے۔

★ امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے ارشاد فرمایا کہ "یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں اُتری ہے۔" (تفسیر صافی و تفسیر صافی)

★ "وَابِل" موٹے موٹے قطروں والی تیز بارش کو کہتے ہیں اور "طَلّ" ہلکی بارش کو کہتے ہیں۔ (اقرب)

★ "اپنے کو ثابت قدم رکھنے" کے معنی اپنی قوتِ ارادی کو مضبوط رکھنا ہے کہ یہ کوئی ایسی بات نہ کریں گے جس سے ہمارا عمل برباد ہو جائے۔ مثلاً احسان جتانا، اُس شخص کے سامنے اپنی بڑائی دکھانا جس پر احسان کیا ہے یا کسی طرح دل دکھانا، یا دکھاوا کرنا وغیرہ وغیرہ (تفسیر صافی، فصل الخطاب)

★ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ دینی اجرت اور ضمیر کی قوت پر خود کو ثابت قدم رکھے (مجمع البیان)

★ باغ کا اونچائی پر ہونا اس لیے بیان ہوا کہ پہاڑوں پر جو باغات ہوتے ہیں وہ زیادہ خوشنما اور سرسبز ہوتے ہیں۔ وہاں کی فضا بھی بہت خوشگوار ہوتی ہے۔ (بلاغی)

★ خیرات یا نیکی جو بڑی مقدار میں ہو وہ بڑی بوندوں والی برسات کی طرح ہے جس سے پیداوار لازمی طور پر بہت ہوتی ہے۔ اور ہلکی پھوار کم خیرات کی طرف اشارہ ہے، جو اگر صدق دل سے ہو تو آخرت کے نفع کی شکل میں سامنے آئے گی۔ (تفسیر صافی)

★ (تمثیل کی زبان میں اس حقیقت کا بیان ہو رہا ہے کہ اخلاص اگر اعلیٰ درجے کا نہ ہو

(باقی ص ۲۱۰ پر)

www.drhasanrizvi.org

صرف دنیا کمانے کے لیے جینے والے کا حسرتناک انجام

أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ (۲۶۶) کیا تم میں سے کوئی یہ بات پسند کرتا ہے
جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيلٍ وَّ أَعْنَابٍ کہ اُس کے پاس ایک ہرا بھرا کھجوروں اور
تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ لَا انگوروں اور ہر قسم کے پھلوں سے لدا ہوا
لَهُ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ لَا باغ ہو، جس کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں
وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ اور اُس باغ کے مالک پر بڑھاپا آچکا ہو
ضُعَفَآءُ ۖ فَأَصَابَهَآ إِعْصَارٌ اور اُس کے (چھوٹے چھوٹے) کمزور بچے
فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ۗ كَذٰلِكَ ہوں، اور اچانک اُس باغ پر ایک تیز
يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْأٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ آگ کا بگولا آپڑے اور وہ باغ جل بھن
تَتَفَكَّرُونَ ۝ ۲۶۶ کر رہ جائے۔ اِس طرح اللہ (اپنی باتیں)

تمھارے سامنے صاف صاف بیان کرتا ہے تاکہ تم غور و فکر کرو ——— (۲۶۶)

(بقیہ از صفحہ ۲۰۹ آیت ۲۶۵ :) غرض محض ایمان اور کسی پر احسان نہ جتانا اور کسی کو احسان کرنے کے بعد تکلیف نہ پہنچانا بھی خیرات کو مقبول بنا دینے کے لیے کافی ہیں۔ اور آخر میں خدا کا "خوب دیکھنے والا" فرمانا بتاتا ہے کہ خدا کافر، مومن، مخلص، غیر مخلص سب کے اعمال کے محرکات اور نیتوں کو ان کے اخلاص اور عدمِ اخلاص کو خوب جانتا ہے۔ (ماجدی)

آیت ۲۶۶ : ذرا اِس حسرتناک وقت اور منظر کا تصور فرمائیں کہ ایک شخص کی عمر کی کمائی ایک باغ ہے۔ خوب ہرا بھرا، پھلوں سے لدا پھندا اور باغ کا مالک بوڑھا ہو چکا ہے اور بچے ابھی بہت چھوٹے ہیں

www.drhasanrizvi.org

اور یکایک اُسے معلوم ہوا کہ باغ پر بجلی گری اور وہ جل کر راکھ ہو گیا۔ اب اس باغ کے مالک کی حالت کا اندازہ فرمائیں، اُس سے لاکھ گنا بُری حالت اُس آدمی کی ہو گی جس نے خوب دنیا کمائی، سجائی، بنائی، اور ساری اُمیدیں اِس مال و دولت سے وابستہ رکھیں کہ اچانک موت سر پر آموجود ہوئی۔ اب جو دیکھا تو کوئی چیز اُس کے دفترِ عمل میں موجود نہ تھی جو اس کے کچھ کام آسکے۔ اب کون ایسے شخص کی بُری حالت کا اندازہ کر سکتا ہے؟ جس کے سامنے ابدی تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہ ہو۔" امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ: "تم اس دنیا میں آزمائے جا رہے ہو، لیکن پیدا کسی اور جہان کے لیے کیے گئے ہو، بلاشبہ جب انسان مرتا ہے تو لوگ پوچھتے ہیں کہ مرنے والا کیا چھوڑ کر گیا ہے اور فرشتے پوچھتے ہیں کہ تو کیا لے کر یہاں آیا ہے؟ کچھ تو نے پہلے سے یہاں کی ابدی حیات کے لیے بھی بھیجا تھا؟" (نہج البلاغہ)

★ عمدۃ البیان میں جناب امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ جوانمردی چار چیزوں میں ہے۔ (۱) غنی ہوتے ہوئے تواضع کرنا۔ (۲) باوجود قدرت کے انتقام نہ لینا۔ (۳) باوجود دشمنی کے خیر خواہی کرنا۔ (۴) احسان جتلائے بغیر کسی کو کچھ دینا۔

★ نیز آپؑ نے فرمایا: "سخی لوگ دنیا و عقبیٰ کے سردار ہیں۔"

★ پھر فرمایا: "تعجب ہے اُن لوگوں پر جو غلام خرید کر آزاد کرتے ہیں، بھلا وہ احسان کر کے آزاد لوگوں کو اپنا دائمی غلام کیوں نہیں بنا لیتے۔"

★ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"بہشت سخی لوگوں کے لیے ہے۔" (از انوار النجف جلد ۳ صفحہ ۱۵۸)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۪ وَ لَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَ لَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْهِ ؕ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ۝۲۶۷

(۲۶۷) اے ایمان لانے والو! اپنی (حلال) پاک کمائی میں سے اور جو کچھ ہم نے زمین سے تمہارے لیے نکالا ہے، اُس کا بہترین حصہ خدا کی راہ میں خرچ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ (خدا کی راہ میں) بُری سے بُری چیز چھانٹنے کی کوشش کرنے لگو، حالانکہ اگر وہی چیز تمھیں دی جائے تو تم ہرگز اسے لینا تک گوارا نہ کرو۔ سوا اس کے کہ چشم پوشی کر جاؤ۔ جان لو کہ بیشک خدا بے نیاز (جسے کسی چیز کی ضرورت ہی نہ ہو) اور نہایت ہی قابلِ تعریف ہستی ہے۔ (۲۶۷)

خدا کی راہ میں صرف اچھا مال خرچ کرو

آیت ۲۶۷: حضرت امام جعفر صادق نے اپنے آباءِ طاہرین سے روایت فرمائی کہ جناب رسولِ خدا نے ارشاد فرمایا "کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنھوں نے ایامِ جاہلیت میں بُرے وحرام پیشوں سے مال کمایا۔ پھر جب وہ ایمان لے آئے تو انھوں نے چاہا کہ اُس گندے مال سے صدقہ نکالیں تو اللہ نے منع فرمادیا اور ارشاد فرمایا کہ صدقہ صرف اُسی مال سے نکالو جو جائز پیشوں سے کمایا گیا ہو۔" (تفسیر صافی صـ۲۴ بحوالہ کافی)

★ محققین نے نتیجہ نکالا کہ وہ خیرات اتنی افضل نہیں جو دوسروں کی کمائی سے کی جائے۔ افضل خیرات وہ ہے جو اپنے دست وبازو سے کی جائے۔ (مجمع البیان)

★ آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ مسجد خراب کھجوریں زکوٰۃ میں دی جاتی تھیں۔ آیت میں اس بات کی ممانعت کی گئی۔
(کافی۔ تفسیر عیاشی)

www.drhasanrizvi.org

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَ (۲۶۸) شیطان تو تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے
يَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ اور بے شرمی و بے حیائی[1] کے کاموں کی
يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَ ترغیب دیتا ہے، جب کہ اللہ تم سے
فَضْلًا ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ ۲۶۸ اپنی بخشش، معافی اور فضل و کرم کا
وعدہ کرتا ہے۔ (کیونکہ) خدا بڑی وسعت دینے والا اور سب باتوں کا جاننے والا ہے (۲۶۸)

آیت ۲۶۸ : [1] عربی میں فحش کے معنی بہت شدید برائی اور ہر بُری صفت کے ہوتے ہیں چاہے وہ کوئی بُرا قول ہو یا فعل (تاج) لیکن بخل پر فاحش کا اطلاق خاص طور پر ہوتا ہے۔ (قاموس - تاج - راغب - کشّاف - جصاص)

★ غرض اِس آیت میں فحش سے مراد بخل ہے۔ کیونکہ عرب بخیل کو فاحش کہتے ہیں کیونکہ شیطان اُن کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ اگر مال خدا کی راہ میں خرچ کر دو گے تو محتاج ہو جاؤ گے ایسے خیالات دل میں ڈال کر شیطان اُن کو بخیل بنا دیتا ہے۔ (تفسیر صافی ص)

★ مطلب یہ ہے کہ شیطان یہ خیال پیدا کرتا ہے کہ اگر خیرات کرو گے تو فقیر ہو جاؤ گے (تفسیر صافی)

★ یہ مطلب بھی ہے کہ شیطان گھٹیا خراب مال یا چیزیں خیرات میں دینے کی ترغیب دیتا ہے۔ (مجمع البیان)

★ جبکہ خدا کا وعدہ یہ ہے کہ خیرات کرو گے تو وہ خیرات دینے پر دُنیا میں بھی مال میں برکت عطا کرے گا اور آخرت میں گناہوں سے معافی۔ (نیشاپوری)

★ محققین نے لکھا کہ خدا نے بتا دیا کہ کس قسم کے خیالات شیطان کی طرف سے آتے ہیں اور

شیطان بخل اور فقر کا اور اللہ سخاوت کرنے پر فضل، کرم اور مغفرت کا وعدہ کرتا ہے

www.drhasanrizvi.org

ہمیں خدا کے وعدے پر بھروسہ کر کے خیرات کرنی چاہیے۔ "جب یہ خیال آئے گا کہ خیرات سے گناہ بخشے جائیں گے اور اللہ مجھے یہیں جو چاہے گا دے گا تو جان لے کہ یہ خیال اللہ کی طرف سے آیا ہے۔" (موضح القرآن)

★ اور اگر کنجوسی اور خوفِ فقر کا خیال خیرات کے وقت آئے تو سمجھ لو کہ یہ شیطان کی طرف سے ہے اور دھوکا ہے۔ (بلاغی)

★ خدا نے سخاوت پر دو وعدے فرمائے ہیں۔ (۱) مغفرت یعنی گناہوں سے معافی (۲) دوسرے فضل و کرم۔ ہوسکتا ہے کہ مغفرت کا وعدہ آخرت سے متعلق ہو اور فضل و کرم کا وعدہ دُنیا سے متعلق ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں وعدے دونوں جہانوں سے متعلق ہوں۔ ماحصل یہ ہے کہ اگر خدائی احکام پر چلو گے تو دنیا و آخرت دونوں میں فلاح پاؤ گے اور اگر شیطان کی راہ پر چلو گے تو دونوں جگہ بربادی کے سوا کچھ نہ پاؤ گے۔

آخر میں خدا نے خود کو واسع فرمایا کہ نیکی پر میرے پاس انعام و اکرام کی کوئی کمی نہ ہوگی، اور "علیم" یعنی ہر چیز کا جاننے والا فرمایا کہ میرا علم کامل ہے اور عمل کرنے والوں کے عمل سے، اُن کی نیتوں سے خوب اچھی طرح واقف ہوں۔ (ماجدی)

★ جناب رسولِ خدا ؐ سے مروی ہے کہ رزق کے دس حصّوں میں سے نو حصّے تجارت میں ہیں اور ایک حصّہ باقی کسبوں (پیشوں) میں ہے۔

★ آپؐ سے پاکیزہ رزق کے متعلق دریافت کیا گیا تو ارشاد فرمایا: "اس سے مراد ہے انسان کا اپنے ہاتھ سے کمانا اور نیکی سے خرید و فروخت کرنا۔" (جو چیز کسی کو دو اچھی دو)

(انوار النجف جلد ۳ صفحہ ۱۶۰)

www.drhasanrizvi.org

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّآ أُولُوا الْأَلْبَابِ ۝ ۲۶۹

(۲۶۹) وہ جس کو چاہتا ہے حکمتؐ (یعنی دانائی، بصیرت، صحیح قوّتِ فیصلہ نتیجتاً سخاوت اور فکرِ آخرت) عطا فرماتا ہے اور جسے حکمت دی گئی اُسے حقیقت میں بڑی دولت مل گئی، اور عقل مندوں کے سوا کوئی (بھی ایسی) نصیحت سے سبق نہیں سیکھتا۔

آیت ۲۶۹ : حضرتؐ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے آبائے طاہرینؑ کے حوالے سے روایت کی کہ: جنابِ رسولِؐ خدا نے ارشاد فرمایا: "حکمت سے مراد اللہ کی اطاعت، امامِ وقت کی معرفت اور اُن گناہوں سے بچنا ہے جن پر خدا نے جہنّم کی سزا مقرّر فرمائی ہے۔ حکمت سے اصل مراد معرفت اور دین میں گہری سمجھ پیدا کرنا ہے پس جس نے یہ علم حاصل کیا وہ "حکیم" ہے۔ اور شیطان ایسے فقیہ کی موت پر سب سے زیادہ خوش ہوتا ہے۔

دوسرے یہ معلوم ہوا کہ حکمت خدا ہی عطا فرماتا ہے۔ اور جسے خدا حکمت عطا فرماتا ہے اُسے خیرِ کثیر دے دیتا ہے۔" (تفسیر عیاشی، تفسیر صافی صؔ بحوالہ الکافی)

★ جنابِ رسولِؐ خدا نے ارشاد فرمایا: "میں حکمت کا گھر ہوں اور علیؑ اُس کا دروازہ ہیں"۔

★ محققین نے نتیجہ نکالا کہ حقیقی حکمت علیؑ اور آلِ علیؑ کے سوا کہیں سے نہیں مل سکتی اس لئے کہ گھر میں جو کچھ ہوتا ہے دروازے میں سے ہی باہر آتا ہے۔ اِس لیے جسے خیرِ کثیر حاصل کرنا ہے اُسے آلِ محمدؐ کے دروازے سے کسبِ فیض کرنا ہوگا۔

(جاری ہے اگلے صفحے پر ملاحظہ ہو)

جس کو حکمت یعنی خدا اور رسولؐ کی اطاعت اور امامؑ کی معرفت ملی اسے بڑی دولت مل گئی

www.drhasanrizvi.org

★ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ: "حکمت کے معنی اللہ کی اطاعت اور امام کی معرفت ہے۔" نیز علمی حکمت کے معنی فرماتے کہ: "بڑے گناہوں سے بچنا جن پر جہنم کا وعدہ کیا گیا ہے۔" حکمت کے تیسرے معنی امامؑ نے فرمائے "حکمت معرفت کا نام ہے۔ یعنی دین کی گہری سمجھ۔ جو شخص تم میں دین کی گہری سمجھ رکھتا ہو، وہ حکیم ہے۔"

★ اور عقل والے (اولوالالباب) وہ ہیں جو عقل سے کام لیں۔ عقل کو "لُب" اس لیے کہتے ہیں کہ وہ انسان کا اصل مغز ہے اور اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ صرف چھلکا ہے۔

★ غرض حکمت امورِ دین میں صحیح اور گہرے فہم کا نام ہے جس کا لازمی منطقی نتیجہ بخل سے نفرت اور سخاوت کی طرف رغبت ہے۔ یہ حکمت خدا اُسی کو دیتا ہے جو اس کا اہل ہوتا ہے۔ اور اس کا سچے دل سے طالب ہوتا ہے۔ بہر حال یہ حکمت نہیں کہ جو کمایا سب کا سب دنیا کی لذتوں پر اڑا دیا۔ عقل و حکمت کا تقاضا ہے کہ آج سے کل کا بندوبست کیا جائے۔ آج بیج بو کر کل فصل کاٹ لو۔ اس لیے دنیا میں رہ کر آخرت کے لیے خرچ کرنا عینِ حکمت ہے۔ اہلِ لطائف اشارات نے کہا کہ آیت میں شیطانی وسوسوں کا علاج علم و حکمت سے کام لینے کو بتایا گیا ہے" (ماجدی)

★ حضرت امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ: "حکمت، معرفت کا نور، تقوے کی میراث، سچائی کا پھل ہے۔ اگر میں کہوں کہ نعماتِ خداوند عالم میں سے کوئی نعمت، نعمتِ حکمت سے زیادہ قیمتی اور بلند تر نہیں ہے تو بجا ہو گا۔"

★ جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ "خدا نے مجھے قرآن و حکمت عطا فرمائی ہے اور جس گھر میں حکمت نہیں وہ گھر برباد ہے۔ اللہ سے ڈرو، فقہ حاصل کرو اور علم سیکھو تاکہ جاہل ہو کر نہ مرو۔"
(تفسیر انوار النجف جلد ۳ ص ۱۶۷)

www.drhasanrizvi.org

خیرات اور نذر کی اہمیت

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝۲۷۰

(۲۷۰) اور تم نے جو کچھ بھی خیر خیرات کیا ہو، یا جو بھی نذر مانی ہو، خدا اُس کو ضرور جانتا ہے۔ اور ظالموں کا (یعنی خیرات نہ کرنے والوں، نذریں توڑنے والوں اور حقوق ادا نہ کرنے والوں کا قیامت میں) کوئی مددگار نہ ہوگا۔ (۲۷۰)

آیت ۲۷۰: "نذر" کے معنی وہ چیز جسے انسان اپنے اوپر از خود واجب کرلے، اور جو خود واجب نہ ہو۔ (اقرب)

★ "اللہ جانتا ہے" کا مفہوم یہ ہے کہ ہر خیرات کا اجر ضرور ملے گا۔ (مجمع البیان)

★ اور "ظالمین" سے یہاں مراد وہ لوگ ہیں جو زکوٰۃ نہ دیں، غلط، فضول کاموں پر روپیہ خرچ کریں، نذریں کریں مگر اُن کو پورا نہ کریں۔ (جلالین)

★ اور آخر میں ظالموں کے جتھے بندی پر چوٹ کی گئی ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ مصیبت میں پارٹی والے مدد کیلئے آپہنچیں گے۔ وہاں کوئی پارٹی والا مدد کو نہ آئے گا۔ سب اپنی اپنی مصیبتوں میں گرفتار اپنے گناہوں کو بھگت رہے ہوں گے۔ (فصل الخطاب)

★ "نذر" کے معنی مَنّت ماننا۔ فقہ میں اس کی تعریف یہ کیگئی ہے کہ کوئی شخص اپنی مراد پوری ہونے پر اپنے اوپر کوئی ایسی چیز واجب کرلے جو اُس پر واجب نہ ہو (روح۔ تفسیر کبیر) یہ نذر جسمانی بھی ہوسکتی ہے اور مالی بھی۔ خدا کا فرمانا کہ "وہ جانتا ہے" یہ بتانے کیلئے ہے کہ وہ خوب جانتا ہے کہ کیا نذر مانی گئی ہے اور اسی کے مطابق وہ جزا، وسزا دے گا۔ (روح۔ بیضاوی)

www.drhasanrizvi.org

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا ھِیَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْھَا وَتُؤْتُوْھَا الْفُقَرَآءَ فَھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ ؕ وَ یُکَفِّرُ عَنْکُمْ مِّنْ سَیِّاٰتِکُمْ ؕ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۲۷۱﴾

اگر تم اپنی خیر خیرات ظاہر کر کے علانیہ طور پر دو گے تو یہ بھی اچھا ہے (کیونکہ اس سے دوسروں کو خیرات کرنے کی ترغیب ملے گی) لیکن اگر چھپا کر فقیروں کو دو گے، تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے (کیونکہ اس کے سبب) خدا تمہاری بہت سی برائیوں اور گناہوں کا کفّارہ کر دیتا ہے (یعنی گناہ مٹا دیتا ہے) اور تم جو کچھ بھی کرتے ہو، خدا اُس سے اچھی طرح باخبر ہے۔ (علماء کے نزدیک فرائض کو علانیہ اور نوافل کو جو فرض نہیں، چھپا کر انجام دینا بہتر ہے۔) (۲۷۱)

آیت ۲۷۱ : قرآن کے سیاق سے ظاہر ہے کہ چھپا کر خیرات دینا زیادہ بہتر ہے۔ (جلالین)

★ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا "وہ خیرات جو ظاہر کرو" سے مراد صدقہ واجبہ یا فرض زکوٰۃ ہے جو دکھا کر دو۔ اور چھپا کر دینے والے صدقات سے سنّتی صدقات مراد ہیں اور اس کا چھپا کر دینا افضل ہے۔ (مجمع البیان)

★ عرفا نے لکھا کہ صحیح مسلک یہ ہے کہ عمل خیر کے ظاہر کرنے اور چھپانے میں اختیار ہے، مگر فضیلت بہر حال چھپا کر نیکی کرنے میں ہے۔ بہر حال دین کی ضرورت کو دیکھا جائے۔ چھپ کر عمل کرنے میں نفس کی اصلاح ہوتی ہے اور علانیہ عمل کرنے میں معاشرے کی اصلاح مقصود ہونی چاہیے۔

www.drhasanrizvi.org

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ (۲۷۲) لوگوں کو ہدایت (یعنی) منزلِ مقصود
اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا تک پہنچانے کی ذمے داری تم پر نہیں ہے،
تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ خدا جسے چاہتا ہے منزلِ مقصود تک
وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ پہنچا دیتا ہے اور تم جو کچھ نیک کام میں
اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ خرچ کرتے ہو وہ تو خود تمھارے اپنے فائدے
يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ کیلئے ہے۔ آخر تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو
لَا تُظْلَمُوْنَ ۲۷۲ وہ اللہ کی رضا حاصل کرنے کیلئے ہی تو کرتے
ہو، اور تم جو کچھ بھی نیک کام میں خرچ کرو گے، اُس کا پورا پورا اجر تمھیں دیا جائے گا
اور تمھارا کوئی بھی حق یا اجر (ہرگز) نہ مارا جائے گا ——— (۲۷۲)

ہر نیکی پہ ہمارا فائدہ ہوتا ہے اور نبی کی ذمے داری صرف راستہ دکھانا ہے

آیت ۲۷۲: شانِ نزول اس آیت کی یہ ہے کہ صحابہ، کافر اور مشرک کو خیرات اِس لیے نہ دیتے تھے کہ شاید اس طرح وہ اسلام قبول کرلیں۔ خدا نے بتا دیا کہ اس قدر اہتمام کی ضرورت نہیں۔ صرف تبلیغ کافی ہے۔ (ابنِ جریر)

فقہاء نے نتیجہ نکالا کہ کافر کو خیرات دینا جائز ہے بشرطیکہ وہ حربی نہ ہو (جصاص)

مطلب یہ ہے کہ جب اللہ کی خوشی ہی مقصود ہے تو ہر حاجت مند خدا کی مخلوق ہے اس کی حاجت پوری کرو۔ (راغب) دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ صرف اور صرف خدا کی خوشی کے لیے خیرات کرو کوئی اور مقصد سامنے نہ رکھو۔ (روح۔ جلالین)

www.drhasanrizvi.org

★ اس آیت میں اُن صوفیاء کی رد ہے جو خدا کے اجر و ثواب کے حصول کی نیت کو اخلاص کے خلاف سمجھتے ہیں۔

[1] ہدایت کی دو قسمیں ہیں (۱) راستہ دکھانا (۲) ہاتھ پکڑ کر راستے پر لگا دینا رسول کے ذمے پہلی قسم کی ہدایت ہے۔ وہ سب کے لیے ہے (تفسیر صافی)

★ رہا "خاص سہارا دے کر توفیقات میں اضافہ کرنا" تو وہ خدا کرتا ہے جن لوگوں میں وہ ذوق و شوق اور عمل کی طرف میلان دیکھتا ہے اُن کی اہلیت اور استحقاق کی بنا پر اپنی توفیقات کو اُن کے شاملِ حال فرما دیا کرتا ہے، جسے اس کا حقدار پاتا ہے۔ (تفسیر صافی۔ بلاغی)

★ غرض خدا کی توفیقات بلا وجہ شاملِ حال نہیں ہوا کرتیں۔ ہماری ہی کوششوں کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ اب رہا جبری طور پر منزل تک پہنچا دینا، تو ایسی ہدایت خدا کے نظامِ عدل و حکمت کے خلاف ہے، اِس قسم کی ہدایت کی نفی خدا نے اس طرح فرمائی۔ "اگر تمہارا پالنے والا مالک چاہتا تو جتنے لوگ زمین پر ہیں سب کے سب ایمان لے آتے۔" (سورۂ یونس ۱۰ آیت ۹۹) یا ارشاد فرمایا۔ "اگر اللہ چاہتا تو اُنھیں ایک قوم بنا دیتا۔" (شوریٰ ۴۲ آیت ۸) یا ارشاد فرمایا: "اگر اللہ چاہتا تو جو اُن کے بعد تھے وہ آپس میں جنگ نہ کرتے۔" (بقرہ ۲ آیت ۲۵۳) غرض اللہ کی ایک عام ہدایت ہے جو ضمیر، عقل نبی، امام اور کتاب کے ذریعے سے ہوتی ہے اور دوسری خاص ہدایت ہے جو کوشش کرنے والوں کو خدا کی خاص توفیقات کی شکل میں ملتی ہے۔

آیت کا پیغام اس آیت میں یہ تعلیم بھی دی گئی ہے کہ تمہیں خیرات دیتے وقت یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ مانگنے والا مسلمان ہے یا کافر۔ تمہیں تو بس یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ ایک انسان ہے اور محتاج ہے لہٰذا

(جاری ہے صفحہ ۲۲۱ پر)

غریبوں اور مشغول علماء دین کے حقوق مالی

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ٢٧٣

(٢٧٣) خاص طور پر خیرات کے مستحق تو وہ حاجتمند (فقراء) ہیں جو اللہ کے کام میں ایسے گھر گئے (مصروف ہو گئے کہ) وہ (ذاتی کسبِ معاش کیلئے) دوڑ دھوپ بھی نہیں کر سکتے، ناواقف لوگ اُن کو سوال نہ کرنے اور خود داری برتنے کے سبب امیر (غنی) سمجھتے ہیں، مگر تم اُن کے چہروں سے اُنکی حالت پہچان سکتے ہو، مگر وہ لوگوں کے پیچھے پڑ کر (چمٹ کر) نہیں مانگتے پھرتے۔ اور جو کچھ بھی تم (ایسے) نیک کاموں پر خرچ کرو گے تو اللہ اُس کو ضرور جانتا ہے ——— (٢٧٣)

(اس سے مراد غیر تمند فقراء اور خاص طور پر وہ لوگ ہیں جو خدا کے دین کی خدمت کیلئے اپنا سارا وقت وقف کر دیتے ہیں۔ اُنکی مالی امداد کرنا گویا دینِ خدا کی مدد کرنا ہے اور یہ بہترین کارِ خیر ہے۔)

بقیہ از ص ٢٢٠ آیت ٢٧٢ : تم اس کی امداد کرو۔ اور حقیقتاً اس کی مدد کرنا خود اپنی مدد کرنا ہے۔ کیونکہ تم کو اِس کا بڑا اجر ملے گا۔ اور تمھارے ساتھ ذرّہ برابر بھی بے انصافی نہ ہو گی۔ اِس وسعتِ نظر کو ملاحظہ فرمائیں۔

(مجمع البیان، نیشاپوری، فصل الخطاب)

آیت ٢٧٣ : حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنے آبائے طاہرین سے روایت کی ہے کہ: جناب رسولِ خدا نے ارشاد فرمایا: "یہ آیت (٢٧٣) اصحابِ صُفّہ کے بارے میں نازل ہوئی اور وہ چار سو ٤٠٠

(حدیث جاری ہے ملاحظہ فرمائیں ص ٢٢٢ پر)

www.drhasanrizvi.org

فقیر مہاجرین تھے جو مسجدِ رسولؐ کے سامنے ایک چبوترے پر رہتے تھے اور اپنا وقت تعلیم حاصل کرنے اور عبادت کرنے میں صرف کرتے تھے اور رسولِ اکرمؐ انھیں جس جہاد پر بھیجتے تھے وہ چلے جاتے تھے۔

(تفسیر مجمع البیان و تفسیر صافی قدہ)

- ★ غرض یہ آیت خاص طور پر ان لوگوں کی مالی امداد کی تاکید کر رہی ہے جو دینی کاموں میں گھر چکے ہیں اور اب آزادی سے کسبِ معاش نہیں کر سکتے۔ اصل مراد تو مجاہدین ہیں (مدارک)
- ★ لیکن خدا کے راستے (سبیل اللہ) میں بڑی وسعت ہے۔ اِس میں دین کا ہر کام شامل ہے اگرچہ اصل مراد جہاد ہے۔ لیکن جہاد صرف تلوار سے نہیں ہوتا۔ دینی تعلیم و تبلیغ میں بھرپور کوشش کرنا بھی زبانی اور قلمی جہاد ہے۔ اِس لیے اِس آیت کے مصداق وہ طلبا اور علماءِ صالحین بھی ہیں جو علومِ دین کی تحصیل میں پوری طرح مصروف ہیں اور اگر وہ دنیا کمانے پر لگ جائیں تو علمِ دین کی خدمتوں میں بڑی کمی آجائے۔ (تھانوی)
- ★ امام رازی نے نتیجہ نکالا کہ لپٹ کر مانگنا بری عادت ہے۔
- ★ بعض مفسرین نے یہ مطلب بھی لکھا ہے کہ "وہ کسی سے کوئی سوال ہی نہیں کرتے"۔ (روح از ابن عباسؓ)
- ★ امیر المومنینؑ نے فرمایا: کہ: تمہیں وہ زمانہ نصیب ہوا ہے کہ نیکی میں ادبار اور برائی میں اقبال روز افزوں ترقی پر ہے۔ تم لوگ جس طرف نظر اٹھا کر دیکھو گے تو فقیر فقر و فاقہ کی سختیوں میں مبتلا ہوگا، اور مالدار کفرانِ نعمت میں گرفتار ہوگا، کہیں بخیل اپنے بخل کو توانگری اور زیادتی مال کا ذریعہ بنا رہا ہے تو کسی جگہ متمرد و سرکش وعظ و نصیحت سے اپنے کانوں کو بند کیے ہوئے

(ملخص از: نہج البلاغہ)

www.drhasanrizvi.org

اَلَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَہُمۡ بِالَّیۡلِ وَ النَّہَارِ سِرًّا وَّ عَلَانِیَۃً فَلَہُمۡ اَجۡرُہُمۡ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ ۚ وَ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۲۷۴﴾

جو لوگ اپنا مال رات اور دن، کھلے اور چھپے خیرات کرتے ہیں، اُن کا بدلہ اُن کے پروردگار کے پاس ہے، اور اُن کے لیے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ کوئی رنج و ملال (ہوگا)۔

ربع الحزب

آیت ۲۷۴ : حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ: "یہ آیت اوّلین معنیٰ میں حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ آپؑ کے پاس چار درہم تھے۔ آپؑ نے ایک درہم رات میں دوسرا دن میں تیسرا ظاہر بہ ظاہر اور چوتھا چھپ کر خیرات کیا۔

جنابِ رسولِ خدا نے پوچھا: اے علیؑ! اِس عمل پر تمھیں کس بات نے آمادہ کیا؟

تو آپؑ نے عرض کیا: اللہ کے اُن وعدوں نے جو اُس نے پورا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔"

(غرائب القرآن نیشاپوری)

★ قرآنِ عظیم ترجمہ از اعلیٰ حضرت محمد احمد رضا خاں صاحب بریلوی "ص ۷۱" حاشیہ ۵۸۳ پر تحریر فرمایا ہے کہ "یہ آیت حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ کے حق میں نازل ہوئی جبکہ آپ کے پاس فقط چار درہم تھے اور کچھ نہ تھا آپ نے ان چاروں کو خیرات کر دیا۔ ایک رات میں ایک دن میں ایک کو پوشیدہ ایک کو ظاہر۔ فائدہ: آیتِ کریمہ میں نفقہ لیل کو نفقہ نہار پر اور نفقہ سر کو نفقہ علانیہ پر مقدم فرمایا گیا۔ اسمیں اشارہ ہے کہ چھپا کر دینا ظاہر کر کے دینے سے افضل ہے۔ یاد رہے کہ آیت کے اِس مفہوم میں وہ شخص بھی مجازاً داخل ہے جو اِن طریقوں سے خیرات کرے۔"

(تفسیر مجمع البیان - تفسیر صافی - فصل الخطاب)

www.drhasanrizvi.org

اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا (۲۷۵) مگر جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قیامت
لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ میں) کھڑے بھی نہ ہوسکیں گے، جیسے
الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ کسی کو شیطان نے لپٹ کر دیوانہ کر دیا
مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ ہو۔[1] اس کی وجہ سے کہ وہ اس بات کے
قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ قائل ہیں کہ تجارت بھی تو سود جیسا کاروبار
وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ ہے۔ حالانکہ خدا نے تجارت کو حلال
الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ کیا ہے اور سود کو حرام۔ پس جس کے پاس
مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا بھی اس کے رب کی طرف سے نصیحت
سَلَفَ ؕ وَ اَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَ آن پہنچے اور وہ آئندہ کے لیے (سود لینے سے)
مَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ باز آجائے، تو جو کچھ بھی وہ پہلے کھا چکا سو
النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۲۷۵ کھا چکا اُسکا معاملہ خدا کے حوالے، مگر اب
جو بھی سود لے گا وہ جہنمی ہے۔[2] جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا ——— (۲۷۵)

آیت ۲۷۵: [1] "شیطان نے چھو کر مخبوط الحواس کر دیا" اس کے معنیٰ، اُسے سخت مار ماری یا سخت تکلیف پہنچائی۔ نیز اس کے معنی پاگل بن کے ہوتے ہیں۔ اِس لیے کہ اہلِ عرب کے نزدیک یہ عارضہ جنوں کے چھونے سے لاحق ہوتا ہے۔ (اقرب)

★[2] خدا کا فرمانا کہ "جو کچھ گذر گیا اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔" اس سلسلے میں حضرت

(باقی صفحہ ۲۲۵ پر دیکھئے)

www.drhasanrizvi.org

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا نے ارشاد فرمایا: "اگر کوئی شخص اپنے باپ کے ورثے میں کچھ مال پائے، اور اُسے یہ معلوم ہو کہ اس مال میں سود ملا ہوا ہے لیکن تجارت وغیرہ کا حلال مال بھی شامل ہے، تو وہ مال اُس کے لیے حلال ہے۔ اُسے خرچ کرے، لیکن اگر یہ جانتا ہے کہ مال میں سے اتنا حصّہ سود ہے، تو بقیہ مال لے لے اور سود کو رد کر دے۔ لیکن اگر مال کا زیادہ حصّہ سود ہو اور اس کا حال اُسے بعد میں معلوم ہو، تو جو سود کا مال خرچ کر چکا ہے، تو وہ اس کا ہے، اب جو سود کا مال باقی رہ گیا ہے اُسے چھوڑ دے"

(تفسیر صافی ص۷۰ بحوالہ کافی و من لایحضرہ الفقیہ)

★ حضرت امام جعفر صادقؑ سے پوچھا گیا کہ "فلاں شخص سود کھاتا ہے۔ اور اُسے معلوم نہیں"۔ امامؑ نے فرمایا: "اُسے کچھ نقصان نہ ہوگا جب تک وہ جان بوجھ کر ایسا نہ کرے، اگر جان بوجھ کر سود کھائے گا تو اس آیت کا مصداق ٹھہرے گا۔" (تفسیر صافی ص۷۰ بحوالہ کافی)

★ حضرت امام رضاؑ نے جناب رسولِ خدا سے روایت کی کہ "سود کھانا گناہِ کبیرہ ہے اور اس حکم کو ہلکا سمجھنا کفر ہے۔" (عیون اخبار الرضاؑ، من لایحضرہُ الفقیہ، تفسیر صافی ص۷۰)

★ عرفاء نے لکھا کہ "تمام گناہانِ کبیرہ کرنے والوں میں سب سے بدحال سود کھانے والا ہے۔"

★ حضرت امام جعفر صادقؑ سے پوچھا گیا کہ بہت دفعہ سود خوروں کا مال گھٹتا نظر نہیں آتا امامؑ نے فرمایا: اس سے زیادہ مٹنا اور کیا ہوگا کہ سود کا ایک درہم دین کو مٹا کر رکھ دیتا ہے پھر اگر اُس نے توبہ بھی کر لی تو اس کا مال ضرور جاتا رہے گا جس کی وجہ سے وہ فقیر ہو جائے گا۔"

(تفسیر صافی ص۷۰، بحوالہ کافی و من لایحضرہُ الفقیہ)

(جاری ہے صـ۲۲۶ پر)

www.drhasanrizvi.org

"رِبَا" کے لغوی معنی ہر زیادتی اور اضافے کے ہیں، خصوصاً سرمائے میں اضافہ (راغب)
لیکن اصطلاحِ شریعت میں اصل قرضے پر زیادتی کو کہتے ہیں خواہ کم ہو یا زیادہ۔ (راغب۔ مدارک)

★ اہلِ عرب اِس لفظ کو اُس زائد رقم کے لیے استعمال کرتے تھے جو قرض دینے والا مہلت دینے کے بدلے وصول کرتا تھا۔ قیامت میں یہ سود خور دیوانوں، خبطیوں کی طرح گرتے پڑتے ہوں گے جیسے کوئی بھوت چمٹ گیا ہو۔ یہ اُس کے حرص کا انجام ہوگا۔ وہ دنیا میں مال کے پیچھے دیوانہ بنا ہوا تھا۔ اہلِ کشف نے لکھا کہ انسان حشر میں اُسی صورت میں اُٹھے گا جس سیرت اور خصلت کے ساتھ دنیا میں رہا تھا۔ کیونکہ سود خور مال کا دیوانہ ہوتا ہے اِس لیے دیوانہ اُٹھے گا۔

جھوٹا جواز: آج کل کے روشن خیالوں کا بھی یہی کہنا ہے کہ سود بھی تو تجارت ہے۔ مگر یہ غلط ہے (۱) تجارت میں نفع نقصان ہوتا ہے، جبکہ سود بلا کھٹکے ملتا ہے۔ (۲) تاجر کو نقصان سے بچنے کے لیے وقت، محنت، ذہانت سب کچھ خرچ کرنا پڑتا ہے، جبکہ سود خور کو کچھ بھی تو نہیں کرنا پڑتا۔ (۳) تجارتی معاملہ فوراً یا کچھ عرصے میں ختم ہو جاتا ہے جبکہ مدت اور مہلت کے ساتھ سود خور کا سود بڑھتا ہی چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ قرض لینے والا برباد ہو جاتا ہے۔ (۴) سود کی رقم صرف مفت خوری کا معاوضہ ہوتی ہے، جبکہ تجارت کا نفع محنت، مہارت، ذہانت اور خطرہ مول لینے کا معاوضہ ہوتا ہے۔ (۵) خدا جو علیم و حکیم ہے اُس نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔ (۶) سود خور کے دل میں شقاوت، سنگدلی، بے رحمی، حرص طمع، بُخل، زبردستی، مفت خوری اور کسی کی مجبوری سے فائدہ اُٹھانا ہوتا ہے۔ غرض اصلاح کرنے والی قوموں نے شرح سود تو کم کی مگر یہ فخر ہمارے رسول کو ملا کہ سود جیسی انسانیت کُش، انسان دشمن چیز کو ہمیشہ کے لیے حرام قرار دے دیا۔ (مؤلف)

www.drhasanrizvi.org

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ۝ (۲۷۶)

خدا سُود کو مٹاتا ہے اور خیرات کو بڑھاتا ہے[۱]۔ اور اللہ کسی ناشکرے[۲] بدکار کو دوست نہیں رکھتا۔

آیت ۲۷۶ : [۱] انسان سود اس لیے لیتا ہے کہ دولت میں اضافہ ہو۔ خدا فرماتا ہے کہ "یہ خیال غلط ہے۔ سود کے مال میں برکت نہیں ہوتی اور وہ مال جو راہِ خدا میں خرچ کیا جائے گا تو بظاہر تو مال میں کمی ہوگی مگر خدا اُس مال میں ایسی برکت عطا فرمائے گا کہ مالا مال ہو جاؤ گے۔ پھر اگر دنیا میں سود خور پھلتا ہوا دکھائی بھی دے تو آخرت میں تو اُس کے لیے ایسی بربادی ہوگی کہ دنیا کے سارے فائدے اُلٹے گلے پڑ جائیں گے۔ (فصل الخطاب)

[۲] کفّار کافر کا صیغۂ مبالغہ ہے۔ اس کے معنی ناشکرا، اور کفرانِ نعمت کرنے والا ہے۔ مراد وہ لوگ ہیں جو سود کو جائز سمجھتے ہیں۔ (مدارک، بیضاوی، راغب)

★ خدا کا شکر ادا کرنا تو یہ ہے کہ اگر خدا نے بندے پر مہربانی فرمائی ہے تو بندہ بھی دوسروں پر مہربانی کرے۔ نہ یہ کہ اللہ کی مہربانی سے عطا کی ہوئی دولت کے ذریعے سے اللہ کے بندوں کا خون چوسے اور اُن کی مجبوریوں سے ناجائز فائدہ اُٹھائے۔ اِس سے بڑھ کر ناشکری اور بدکاری کیا ہوگی۔؟ حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے کہ: "ہر چیز پر فرشتے مامور ہیں سوائے صدقے کے۔ کیونکہ اس کو خدا خود اپنے دستِ قدرت میں لیتا ہے اور اس کی پرورش فرماتا ہے جس طرح تم اپنی اولاد کی پرورش کرتے ہو اور قیامت کے دن جب تم کو دیا جائے گا (یعنی جزا دی جائیگی) تو مثلِ کوہِ اُحد ہوگا۔ (برہان)

www.drhasanrizvi.org

ایمان، عملِ صالح، اقامۂ نماز اور زکوٰۃ کی فضیلت

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۲۷۷﴾	(۲۷۷) (ہاں) جو لوگ ایمان لے آئیں اور نیک کام کریں، اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں، اُن کا اجر بے شک اُن کے ربّ (پروردگار) کے پاس ہے اور اُن کے لیے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ کوئی رنج (وغم وملال) (۲۷۷)

آیت ۲۷۷ : محققین نے لکھا کہ خدا نے اجر کے ساتھ عِندَ رَبِّہِم یعنی "خدا کے پاس" فرمایا "عَلٰی رَبِّہِم" "خدا پر (اجر) ہے" نہیں فرمایا۔ کیونکہ "اجر خدا کے پاس ہے" فرمانے سے معلوم ہوا کہ اجر بالکل تیار ہے۔ خدا کے پاس امانتاً رکھا ہے پس تمہارے خدا کے پاس پہنچنے کی دیر ہے۔ اگر خدا یہ فرماتا کہ تمہارا اجر خدا کے ذمّے ہے تو اُس سے یہ بات ثابت نہ ہوتی، اِس لیے کہ قرض اُس کے ذمّے بھی ہو سکتا ہے جو ادا کرنے پر قادر ہی نہ ہو۔ (نیشاپوری، فصل الخطاب)

★ آخرت میں تو ایسے نیک کردار خادمِ خلق لوگوں کا بہترین انجام سب پر ظاہر ہو ہی جائے گا، لیکن دنیا میں بھی جو سکونِ قلب، یکسوئی، اطمینان، قناعت کرنے والوں کو حاصل ہوتا ہے اُس کا اندازہ ایک بدنصیب، حریص انسان کر ہی نہیں سکتا۔ سود خور کو برکت، اطمینان، خیر نصیب نہیں ہوتا، جبکہ صدقات کا اجر بے حساب اور قلبی اطمینان بے حد ہوتا ہے۔ سود خور قوموں کا انجام دنیا میں بھی آپس کی خوں ریزی اسلحہ کی دوڑ، ہلاک مہنگائی، بے روزگاری، ڈاکے، قتل، فتنے، فسادات ہوتے ہیں۔ مشاہدہ بتاتا ہے کہ

(باقی ص ۲۲۹ پر)

www.drhasanrizvi.org

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ ۲۷۸

(۲۷۸) اے ایمان لانے والو! خدا (کے عذاب) سے ڈرو اور جو کچھ بھی تمہارا سود لوگوں پر باقی رہ گیا ہے، اُسے چھوڑ دو۔ اگر واقعی تم ایمان لائے (مومن) ہو۔

(آیت ۲۷۷ کا بقیہ) سود خور دُنیا میں بھی دنیا کی دولت سے لطف نہیں اُٹھا سکتا۔ پھر یہ کہ اُس کے دل میں خدا یا خدا کی مخلوق کے بجائے پیسے سے محبت ہوتی ہے۔ تیسرے یہ کہ وہ دیگر انسانوں کی ہمدردیوں محبتوں، عزتوں اور خلوص سے ہمیشہ محروم رہتا ہے۔ اکثر سود خوروں کے دیوالے نکلتے رہتے ہیں۔

آیت ۲۷۸: محققین نے نتیجہ نکالا کہ شریعت کے ایک جزو سے انکار، ساری شریعت سے انکار ہے۔ (تفسیر کبیر)

★ خدا کا فرمانا "اگر تم مومن ہو" یعنی اگر تمہارا ایمان کا دعویٰ سچا ہے اور تم واقعی مومن ہو تو تمہارا کردار بھی تمہارے ایمان کے مطابق ہونا چاہیے۔ اِس ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ تمہارا جو سود لوگوں کے ذمّے رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو، اس لیے کہ اس کا لینا جائز نہیں۔ (تفسیر صافی)

★ یعنی آگے جو سود لیا وہ لیا، اب اگلا چڑھا ہوا نہ مانگو (تاج العلماء)

★ شانِ نزول اِس آیت کی یہ بیان کی گئی ہے کہ بعض صحابہ ایّامِ جاہلیت میں سود کا معاملہ کیا کرتے تھے ان کی سود کی کافی رقوم مقروضین کے ذمّے باقی تھی اسلام لانے کے بعد انھوں اس رقم کا مطالبہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (از انوار النجف جلد ۳ صفحہ ۱۷۳-۱۷۴)

www.drhasanrizvi.org

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ (۲۷۹) لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا، تو پھر
مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ اللہ اور اُس کے رسولؐ سے لڑنے
تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ کے لیے تیار ہو جاؤ۔[1] اب بھی اگر تو بہ
لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ۝ ۲۷۹ (یعنی سود کھانا چھوڑ دو) تو تمھارے لیے
تمھارا اصل سرمایہ ہے۔ نہ تم (سود لے کر) ظلم کرو، اور نہ تم پر ہی ظلم کیا جائے،[2]
(کہ تمھارا اصل مال بھی واپس نہ دیا جائے۔) ——— (۲۷۹)

سود خور سے خدا کا اعلانِ جنگ

آیت ۲۷۹ : [1] مطلب یہ ہے کہ تم سے باغیوں اور مرتدوں کی طرح جنگ کی جائے گی۔ قرآن میں سود سے زیادہ کسی گناہ کو بُرا نہیں کہا گیا۔ (تفسیر کبیر، روح، جصاص)

★ محققین نے لکھا کہ اس آیت سے حقوق الناس کی اہمیت اور سود کی بُرائی بڑی شدت سے معلوم ہوئی۔

[2] خدا کا یہ فرمانا کہ "نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر کوئی ظلم کرے" کا مطلب یہ ہے کہ اگر تمھارا اصل مال بھی تمھیں نہ ملے تو یہ تم پر ظلم ہوگا۔ اور اگر چڑھے ہوئے سود کا تم مطالبہ کرو تو یہ تمھارا ظلم کرنا ہوگا۔ شریعت کے نزدیک یہ دونوں ظلم ہیں۔ (تفسیر مجمع البیان)

★ ظالم وہ بھی ہے جو کوئی رقم قرض دے اور وصول کرتے وقت اصل سے زائد وصول کرے۔ اور مظلوم وہ ہے کہ جتنی رقم قرض کی تھی اب اُس سے زیادہ ادا کرنا پڑا۔
(تفسیر کبیر)

www.drhasanrizvi.org

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ (۲۸۰) ہاں اگر وہ (تمہارا قرضدار) تنگی میں
فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَاَنْ ہو تو خوشحالی تک اُسے مہلت دو۔
تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ اور اگر تم صدقہ (نیکی) کرو (اصل بھی
كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۲۸۰ بخش دو) تو یہ تمہارے لیے زیادہ اچھا ہے۔
وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ (۲۸۱) اور اُس دن (کی رسوائی) سے بچو جس
اِلَى اللّٰهِ ۫ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ دن تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ پھر
نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا جو کچھ بھی جس شخص نے (نیکی یا بدی) کمائی
يُظْلَمُوْنَ ۝۲۸۱ ہوگی اُس کا پورا پورا بدلہ مل جائے گا اور
کسی پر بھی کوئی زیادتی نہ ہوگی۔

آیت ۲۸۰: آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر تمہارا مقروض تنگدست ہے تو اصل مال کے مانگنے میں بھی سختی نہ کرنی چاہیے۔ اُس کو مہلت پر مہلت دینی چاہیے۔ اور اگر قرضہ معاف ہی کر دو تو زیادہ بہتر ہے بشرطیکہ قرضہ جائز اور ضروری کام کے لیے لیا گیا ہو۔ (تفسیر صافی۔ تاج العلماء)

★ اگر حاکم شرع تک معاملہ پہنچے تو وہ بیت المال سے قرضہ ادا کر سکتا ہے۔ (بقول امام محمد باقرؑ و امام رضاؑ از مجمع البیان و بلاغی)

یاد رہے کہ "رومن لا" میں قرضدار کو قرض ادا نہ کرنے پر قتل کیا جا سکتا تھا جبکہ اسلام نے اپنی معیشت کی بنیاد انسانیت اور تقویٰ پر رکھی۔ دنیا کے کسی معاشی نظام میں یہ خصوصیت نہیں۔ (ماجدی)

www.drhasanrizvi.org

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ (۲۸۲) اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب کسی مقرّرہ
بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ مدّت کیلئے آپس میں قرضے کا لین دین کیا
وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ کرو تو اُسے لکھ لیا کرو۔ اور ایک کاتب
بِالْعَدْلِ ۠ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ (لکھنے والے) کو چاہیے کہ عدل و انصاف کے
يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ ساتھ تمہارے درمیان تحریر لکھے، اور کاتب
فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ کو (لکھنے سے) انکار نہ کرنا چاہیے جیسے اللہ
عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ نے اُسے (لکھنا) سکھا دیا ہے (بلا عذر) لکھے
وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ فَاِنْ لکھوائے وہ (قرضدار) جس پر حق آتا ہے اور
كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اُس (کاتب) کو اپنے ربّ سے ڈرنا چاہیے
اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ (کہ) وہ اُس (عبارت) میں کچھ کمی (زیادتی)
يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ نہ کرے لیکن اگر خود مقروض ہی کم عقل ہو
بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ یا نادان، یا خود نہ لکھوا سکے تو پھر اُس کا
مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا سرپرست انصاف کے ساتھ (معاہدہ) لکھوائے
رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ اور اپنے مردوں میں سے دو کو گواہ بنا لو اور
مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں
اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا ہوں جن کی گواہی پر تم راضی ہو تاکہ اگر ایک
فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ عورت ان دونوں میں سے بھول جائے تو دوسری اُسے یاد دلائے

قرض کی رقم لکھنے کا حکم اور اس کے آداب

www.drhasanrizvi.org

وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَآءُ إِذَا مَا
دُعُوا ۚ وَلَا تَسْـَٔمُوٓا أَنْ تَكْتُبُوهُ
صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلٰىٓ أَجَلِهٖ ۚ
ذٰلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَأَقْوَمُ
لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنٰىٓ أَلَّا تَرْتَابُوٓا
إِلَّآ أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً
تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ
عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا ۗ
وَأَشْهِدُوٓا إِذَا تَبَايَعْتُمْ ۚ وَلَا
يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ ۚ
وَإِنْ تَفْعَلُوا فَإِنَّهٗ فُسُوقٌ
بِكُمْ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۗ وَيُعَلِّمُكُمُ
اللّٰهُ ۗ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ
عَلِيمٌ ۝ ۲۸۲

اور گواہوں کو جب (گواہی کیلئے) بلایا جائے
تو اُنھیں انکار نہیں کرنا چاہیے اور قرض
چاہے چھوٹا ہو یا بڑا، اُس کی معین
مدت تک کو لکھوا لینے میں سُستی نہ کرو[۱]
اللہ کے نزدیک یہ (تحریر) بہت ہی
منصفانہ ہے اِس سے گواہی ملنے میں بہت
آسانی ہوتی ہے اور اس سے تمہارے شک و
شُبہے میں نہ پڑنے کا بہت زیادہ امکان
ہے، سوا اس کے کہ جب تم آپس میں ہاتھوں
ہاتھ لین دین کا (نقدی) کاروبار کرتے ہو،
تو اُس کو نہ لکھنے میں کوئی حرج نہیں، البتہ
جب خرید و فروخت کرو تو گواہ کر لیا کرو۔ اور
کاتب اور گواہ کو ستایا نہ جائے، اگر تم ایسا
کرو گے تو گناہ کرو گے (ایسا کرتے ہوئے)
اللہ سے ڈرو، اور اللہ تمھیں (یہی) تعلیم دیتا ہے۔ اور اللہ تو ہر چیز سے اچھی طرف واقف ہے (۲۸۲)

آیت ۲۸۲ کی وضاحت: [۱] فقہاء نے آیت کے الفاظ "جب قرض کا معاملہ کسی مدت معینہ تک کرنے لگو" سے

(باقی صفحہ ۲۳۴ پر دیکھیے)

www.drhasanrizvi.org

(بقیہ از صفحہ ۲۳۳ آیت ۲۸۲) .... نتیجہ نکالا کہ قرض کے معاملے میں مدت واضح طور پر معیّن ہونی چاہیئے۔ مہینہ و تاریخ لکھی جائے، نہ یہ کہ "رقم سردیوں میں واپس ہوگی یا گرمیوں میں واپس ہوگی" ایسے گول مول الفاظ نہ لکھے جائیں۔ ابنِ عربی مالکی نے صرف اِس ایک آیت سے ۵۲ فقہ کے مسائل اخذ کیے ہیں۔ تجارتی معاملات میں یہ آیت بہت اہم ہے۔ اِس آیت نے صوفیاء کے اُس مسلک کو رد کر دیا کہ "تجارتی معاملات سلوک کے منافی ہیں"۔

نیز یہ کہ فقہاء نے یہ نتیجہ بھی نکالا کہ تجارتی معاملات کو لکھنے والا شرعی اور ایماندار آدمی ہونا چاہیئے، تجارتی شرائط کا عالم ہونا چاہیئے اور ایسے کاتب کو اپنی محنت کی اُجرت لینا جائز ہے اور اُس پر فرض ہے کہ کوئی چیز اپنی طرف سے نہ بڑھائے نہ گھٹائے (مدارک)

۵ "کمزور" سے یہاں مراد نابالغ یا بہت ہی بوڑھا آدمی ہے۔ (تفسیرِ کبیر)

حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا صلعم نے ارشاد فرمایا:

"سفیہ" سے مراد ناقص العقل انسان ہے اور "ضعیف" سے مراد وہ آدمی ہے جو بدن کا کمزور ہو یا لکھنے پڑھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو، علم و فہم میں کمزور ہو، اپنے حق میں مفید یا مضر لفظوں کو نہ پہچانتا ہو۔" (تفسیر امام حسن عسکری ع صفحہ ۵۵۸ و تفسیر صافی صفحہ ۔۔)

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: "عادل اور آزاد مسلمانوں میں سے دو مردوں کو گواہ بناؤ۔ تاکہ اُن کے سبب سے اپنی دُنیا اور مال کو بچا سکو۔ اللہ کی تعلیم اور اُسکی نصیحت کو استعمال کرو کیونکہ اِسی میں نفع اور برکت ہے اِس کی مخالفت نہ کرو ورنہ تمہیں شرمندگی

(باقی صفحہ ۲۳۵ پر ملاحظہ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

(بقیہ از صفحہ ۲۳۴) ... سے کوئی فائدہ بھی نہ ہوگا۔" (تفسیر امام حسن عسکریؑ صفحہ ۵۷۱)

جناب رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا کہ "خدا نے دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر اِس لیے قرار دی ہے کہ عورتوں کی عقل اور دین دونوں ناقص ہیں۔"

(تفسیر امام حسن عسکریؑ و تفسیر صافی صـ)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا: "چار آدمیوں کی دعا قبول نہیں ہوگی، اُن میں سے ایک وہ ہے جو اپنا مال بغیر لکھے پڑھے اور بغیر گواہ بنائے کسی کو قرض دے۔ پھر اگر قرض لینے والا رقم واپس نہ کرے اور قرض دینے والا خدا سے دعا کرے تو خدا اُس سے کہتا ہے، "کیا میں نے تجھ کو گواہ بنانے کا حکم نہیں دیا تھا۔؟"

نیز فرمایا: "جس شخص کا حق اِس وجہ سے مارا جائے کہ اُس نے کسی معاملے پر کسی کو گواہ نہیں بنایا تھا، تو اُس کو اُس کا کوئی اجر نہیں ملے گا۔" (تفسیر صافی صـ۱۳ بحوالہ کافی)

خدا صرف حاکم ہی نہیں بلکہ مہربان پالنے والا مُربّی بھی ہے۔ اِس لیے اُس کے بہت سے احکامات ہدایات کے طور پر بھی ہوتے ہیں۔ اُن پر عمل واجب نہیں ہوتا۔ قرائن اور کلام کا انداز بتا دیا کرتا ہے۔ ایسے احکامات کی خاصیت یہ ہوتی ہے کہ اُن کی مخالفت سے بس نقصان ہوتا ہے، گناہ نہیں ہوتا۔ یہاں پر زیادہ تر ایسے ہی احکامات بیان کیے گئے ہیں۔ (فصل الخطاب)

آیت میں خدا نے تین الفاظ استعمال کیے ہیں۔ (۱) "سفیہ" یعنی بے عقل

(باقی صفحہ ۲۳۶ پر ملاحظہ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

(بقیہ از صفحہ ۳۳۵) ... (۲) "ضعیف" جو پوری طرح اپنے نفع نقصان کو نہ سمجھ سکے اور (۳) وہ کہ جو خود اپنا مطلب نہ لکھوا سکے۔ اُن میں بوڑھے، بچے، جاہل، کم عقل، معذور جسمانی و عقلی طور پر کمزور، زبان یا قانون سے ناواقف لوگ شامل ہیں۔

(تفسیرِ صافی از امام جعفر صادق علیہ السلام)

★ گواہوں کیلئے خدا کا یہ ارشاد فرمانا "اُن گواہوں میں سے جو تمہاری نظر میں درست ہوں" سے مراد شریف، نیک لوگوں کی گواہی (بلاغی)

ایک مرد کے مقابلے میں دو عورتوں کی گواہی اس لیے دلوائی گئی کہ اگر اُن میں سے ایک بھولے تو دوسری یاد دلا دے۔ بہر حال یہ اشارہ ہے عورت کی کمزوری، دھوکا کھانے، بھولنے کیطرف (بلاغی)

★ آیت میں معاملات کو لکھنے کے تین فوائد بیان ہوتے ہیں (۱) دینی فائدہ تو یہ ہوگا کہ خود تم کو ہر بات یاد آجائے گی اور اپنے قرضے ادا کرو گے (۲) جھگڑے کی صورت میں وہ تحریر جھگڑے کو دور کرنے کا سبب ہوگی (۳) خود اپنا ضمیر بھی مطمئن ہوگا کہ جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کیا (نیشاپوری)

★ پھر آخر میں خدا کا ارشاد فرمانا "اللہ سے ڈرو" اور "اللہ تمھیں سکھاتا ہے" یہ اشارہ کرتا ہے کہ "لکھنے میں خیانت نہ کرو، لکھنے والے پر ناجائز دباؤ نہ ڈالو، ایک دوسرے کو نقصان نہ پہنچاؤ اور یہ بھی یاد رکھو کہ یہ خدا کی سکھائی ہوئی باتیں ہیں اس لیے اِن کا خیال رکھو کیونکہ یہ باتیں تمھارے فائدے کی ہیں۔ (تفسیرِ صافی)

★ اس آیت میں جو امر کے صیغے ہیں وہ اِستحسان یا استحباب کیلئے ہیں۔ اور خدا کا ارشاد فرمانا کہ "اللہ سے ڈرتے رہو" اور "اللہ تمھیں سکھاتا ہے" اِس سے محققین نے نتیجہ نکالا کہ علم حقیقی تقویٰ کا نتیجہ ہوتا ہے۔ (بیضاوی)

www.drhasanrizvi.org

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ (۲۸۳)	اور اگر تم سفر میں ہو اور کوئی لکھنے
تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ	والا نہ ملے تو رہن پر قبضہ لیکر قرض
فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا	دو۔ اور اگر تمھیں ایک دوسرے پر
فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ	بھروسہ ہو (تو یونہی قرض دے سکتے ہو)
وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا	مگر پھر جس شخص پر بھروسہ کیا گیا ہے
الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا	اُسے چاہیے کہ (قرض کی) امانت
فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا	پوری پوری ادا کرے۔ اور اللہ سے جو
تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝ ع (۲۸۳)	اُس کا مالک ہے ڈرے۔[۲] اور گواہی کو

ہرگز نہ چھپائے۔ جو گواہی کو چھپاتا ہے اُس کا دل یقیناً گنہگار ہے۔ اور تم لوگ جو کچھ بھی کرتے ہو خدا اُس کو خوب جانتا ہے ــــــ (۲۸۳)

آیت ۲۸۳ [۱] حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے، کہ جناب رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا: "رہن وہی جائز اور درست ہے، جو قبضے کے ساتھ ہو۔ ورنہ جائز نہیں۔" (تفسیر صافی ص بحوالہ کافی)

اگرچہ رہن رکھنے کا حکم سفر کے سلسلے میں دیا گیا ہے مگر کیونکہ رہن رکھنے کا مقصد ایکدوسرے کا اطمینان ہے، اس لیے اگر کوئی چاہے تو اپنے وطن میں بھی رہن رکھ سکتا ہے یا رکھوا سکتا ہے۔ (جلالین۔ صافی)

[۲] محققین نے نتیجے نکالے (۱) خدا کا بار بار خدا سے ڈرتے رہنے کا حکم دینا بتاتا ہے کہ تجارتی یا مالی معاملات میں خیانت یا بے ایمانی بہت بڑا قابل سزا جرم ہے۔ (۲) قلب کو

(باقی ص ۳۹ پر ملاحظہ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْۤ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۤءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۤءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ (۲۸۴)

(۲۸۴) آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے سب اللہ کا ہے۔ تم اپنی باتیں چاہے ظاہر کرو یا چھپاؤ، اللہ تو بہرحال تم سے اُن کا حساب لے گا۔ پھر وہ جس کو چاہے گا، معاف کرے گا اور جس کو چاہے گا سزا دے گا۔ (کیونکہ) اللہ ہر بات پر پوری طرح قادر ہے۔

(بقیہ از صفحہ ۲۳۷ آیت ۲۸۳) ۔۔ گنہگار کہنے کا مطلب یہ ہے کہ گناہ کے سلسلے میں سب سے بڑا گناہگار قلب ہی ہوتا ہے۔ کفر و شرک جو سب سے بڑا گناہ ہے، دل ہی انجام دیتا ہے۔ (۳) گواہی کا چھپانا بہت بڑا گناہ ہے اور اُس کی اُجرت لینا جائز نہیں کہ یہ واجب ہے۔ (مدارک)

آیت ۲۸۴ (۱): حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا نے ارشاد فرمایا: "میری اُمّت سے نو چیزوں کے بارے میں نہ پوچھا جائے گا (۱) بھول چوک کی غلطی (۲) نسیان یعنی بھول جانا۔ (۳) لاعلمی۔ (۴) بے بسی۔ (۵) وسوسے۔ یعنی بُرے خیالات جو مخلوق کے بارے میں غور و فکر کرتے وقت دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ (۶) اضطراب۔ یعنی سخت حاجت (۷) مجبوری۔ (۸) شگون لینا۔ (۹) حسد۔ جب تک کہ زبان یا ہاتھ سے اُس کا اظہار نہ کیا جائے۔ (تفسیر صافی صفحہ ۷۴ بحوالہ کافی)

(باقی صفحہ ۲۳۹ پر ملاحظہ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

(بقیہ از صفحہ ۲۳۸ آیت ۲۸۴ کی تفسیر:) محققین نے نتیجہ نکالا کہ: بعض صورتوں میں نیت پر بھی عذاب ہو سکتا ہے لیکن درج بالا (نو) صورتوں میں نہیں۔

(وسائل شیخ مرتضیٰ انصاری و تفسیر صافی)

رہا اللہ کا چاہنا تو وہ کبھی بلا وجہ نہیں ہوا کرتا۔ وہ جسے بخشتا ہے تو وہ اُس کے کسی عمل اور استحقاق کی وجہ سے بخشتا ہے اور جسے معاف نہیں کرنا چاہتا تو وہ بھی اُس کی نااہلیت کی وجہ سے۔ اور خدا کا فرمانا کہ "وہ تمہارا حساب لے گا" یعنی یہ دیکھے گا کہ کون معاف کیے جانے کے لائق ہیں اور کون نہیں ہیں۔ پھر یہ فرمانا کہ "جسے چاہے گا معاف کرے گا" ان میں وہ نیتیں شامل ہیں جو حدیث میں بیان ہوئیں۔ اور "جسے چاہے گا سزا دے گا" یعنی اُن نیتوں پر سزا دے گا جو حدیث کی نو باتوں سے خارج ہیں اور جس پر سزا دینا ضروری ہے۔ (فصل الخطاب)

"جو کچھ دلوں میں ہے" اِس سے مراد غلط عقیدہ یا گناہ کرنے کا ارادہ ہے وسوسے اور خیالات جو از خود آتے ہیں، وہ مراد نہیں۔ (مدارک)

مغفرت ہوگی تو خدا کے قانونِ رحمتِ عامّہ کے مطابق ہوگی اور عذاب ہوگا تو خدا کے قانونِ حکمت و عدل کے تقاضے سے ہوگا اور آخر میں خدا کا فرمانا کہ "اللہ ہر چیز پر قادر ہے" بتاتا ہے کہ خدا معاف کرنے میں کسی کے کفارے یا سولی پر چڑھنے کا محتاج نہیں۔ اُس کی رحمت معافی کے لیے بہت کافی ہے۔

www.drhasanrizvi.org

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ (۲۸۵)
اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ؕ
كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ
وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ
بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَ
قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ۟ غُفْرَانَكَ
رَبَّنَا وَ اِلَیْكَ الْمَصِیْرُ ۝۲۸۵

(اللہ کا) رسولؐ ہر اُس بات پر ایمان لایا ہے جو اُس کے پالنے والے کی طرف سے اُس پر اُتری ہے اور مومنین بھی۔ یہ سب کے سب اللہ اور اُس کے ملائکہ اور اُس کی کتاب اور اُس کے رسولوںؑ کو دل سے مانتے ہیں: "ہم اُس کے رسولوںؑ میں سے کسی ایک میں بھی کوئی فرق نہیں کرتے۔ اور کہتے ہیں ہم نے سُنا اور ہم نے اطاعت کی اے ہمارے پالنے والے! ہم تیری معافی کے طالب ہیں۔ اور (ہمیں) تیری ہی طرف پلٹنا ہے۔ (۲۸۵)

آیت ۲۸۵ حضرتؑ امام موسیٰ کاظم ع نے اپنے آبائے طاہرینؑ کے ذریعے سے روایت کی کہ:
جنابِ رسولِ خدا ص نے ارشاد فرمایا: "اِن سب آیتوں میں وہ گفتگو ہے جو خدا اور رسولؐ کے درمیان شبِ معراج میں ہوئی تھی۔" (احتجاج طبرسی)

یہودی حضرت موسیٰؑ تک مانتے ہیں اور عیسائی حضرت عیسیٰؑ تک مانتے ہیں، مگر مسلمانوں کی شان یہ بتائی گئی کہ "یہ اِس رسولؐ پر جو کچھ نازل ہوا ہے اُس کو بھی مانتے ہیں اور جو کچھ پہلے نازل ہوا ہے اُسے بھی مانتے ہیں۔" اس لیے کہا گیا کہ "ہم رسولوں میں تفریق نہیں کرتے۔" (جلالین ۔ فصل الخطاب)

www.drhasanrizvi.org

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ (۲۸۶) خدا کسی کو بھی اُس کی طاقت سے
لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا زیادہ ذمّے داری کا بوجھ اُٹھانے کی
اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا تکلیف نہیں دیتا۔ ہر شخص نے جو
اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا نیکی کمائی (اُس کا پھل) اُسی کے لیے
وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا ہے، اور جو بُرائی سمیٹی (اُس کی سزا بھی)
حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ اُسی کے لیے ہے (تم لوگ یہ دُعا کیا کرو)
قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا اے ہمارے پالنے والے! ہم سے جو بھول
طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۟ وقف چُوک ہو جائے، یا جو غلطیاں ہو جائیں،
وَاغْفِرْ لَنَا ۟ وقف وَارْحَمْنَا ۟ وقف اَنْتَ اُن پر ہمیں نہ پکڑ لینا۔ اے ہمارے ربّ!
مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال جو تو نے ہم سے پہلے
الْكٰفِرِيْنَ ۠ (۲۸۶) لوگوں پر ڈالا تھا۔ اے ہمارے پالنہار! ہم

پر اتنا بوجھ نہ ڈال کہ جس کو اُٹھانے کی طاقت ہم میں نہ ہو۔ ہمارے ساتھ نرمی کر، ہم کو معاف فرما
ہم پر رحم کر (کیونکہ) تُو ہی تو ہمارا سرپرستِ اعلیٰ ہے۔ پس کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔

آیت ۲۸۶ خدا نے آخری نبیؐ کی اُمّت پر یہ رحم فرمایا کہ اُنھیں آسان شریعت عطا فرمائی۔
اور دعا کے پیرائے میں اِس لیے فرمایا گیا کہ خدا کے فیصلے ہمارے دل کی آواز ہیں۔ یہی عبدیّت کا
اصل تقاضا ہے۔ (مجمع البیان) (باقی تفسیر صفحہ ۲۴۲ پر ملاحظہ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

(بقیہ از صفحہ ۲۴۱) حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ "یہ تمام التجائیں ہمارے رسولؐ نے معراج میں فرمائیں جس کے نتیجے میں آسان شریعت ہمیں ملی۔

(مجمع البیان ۔ جلالین)

۱ خدا نے یہ شرط لگا کر کہ "مگر اس کی طاقت و بساط کے مطابق" ہر قسم کے غیر اختیاری خیالات اور وسواس کو حدِ محاسبہ سے نکال دیا۔ (راغب، مدارک، بیضاوی)

عُرفاء نے نتیجہ نکالا کہ (۱) مجاہدہ میں طالب کی حالت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ (۲) نیز یہ کہ خدا کی طرف سے تجلیات کا نزول بھی طالب کی طاقت اور کوشش کے مطابق ہوتا ہے (۳) اور اگر اس میں کبھی کمی ہو تو اُسے اپنی ہی کمی سمجھ کر صبر کرنا چاہیئے۔

۲ اِس آیت میں ہندو عقیدے "کریا کرم" کی بھی رد ہے۔ یعنی انسان جو کریگا اُس کا نتیجہ ضرور بالضرور ظاہر ہوگا۔ یہ جبریت کی انتہائی شکل ہے۔ قرآن نے اِس عقیدے کو ردّ کر دیا اور بتایا کہ نیکی اور بدی کی راہیں انسان کے اختیار کی چیز ہیں اور خدا بھول چوک کو معاف کرنے والا ہے بلکہ شرمندہ ہونے پر بڑے بڑے گناہوں کو بھی معاف کرنے والا ہے۔

نیز یہ کہ اسی آیت ۲۸۶ نے عیسائیوں کے عقیدے کو بھی رد کر دیا کہ عمل صالح کی اب کوئی ضرورت ہی نہیں۔ حضرت عیسےٰ ابن اللہ بن کر ہمارے گناہوں کے بدلے میں سولی پر چڑھ گئے۔ بس اُن کو مان لو اور نجات پا لو گے۔

اِس آیت ۲۸۶ نے مومنین کو بڑی جامع اور مانع دعا کی تعلیم دی ہے اور اِس بات کی بھی نفی کی ہے کہ خدا کے احکامات بہت ہی سخت اور ناقابلِ برداشت ہیں۔ (روح)

www.drhasanrizvi.org

آیاتہا ۲۰۰ سُورَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ رکوعاتہا ۲۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام کی مدد سے (شروع کرتا ہوں) جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا ہی مہربان ہے۔

الٓمّٓ ① (۱) الف۔ لام۔ میم

اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝ (۲) (۲) اللہ، وہ زندہ و پائندہ ذات ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو سب کو سنبھالے ہوئے ہے

آیت ۱ : اِن حروف کو حروفِ مقطّعات کہتے ہیں۔ یہ خدا کے راز ہیں جنھیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (جلالین) . . . صرف وہ لوگ جانتے ہیں جن کو خدا نے اِن کا علم ازخود عطا فرمایا ہے۔ جیسے: نبیؐ یا امامؑ یا راسخین فی العلم۔ (بلاغی، مجمع البیان)

آیت ۲ : خدا کی صفت (۱) "حی" یعنی خدا وہ ہے جو ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اُس کے لیے موت کا کوئی امکان ہی نہیں۔ اُس کو حیاتِ تازہ حاصل کرنے کی ضرورت نہیں۔ خدا کی دوسری صفت "قیّوم" کے معنی وہ ذات جو بذاتِ خود بھی ہمیشہ ہمیشہ قائم ہے اور ساری کائنات بھی اُس کے وجود سے قائم ہے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں (باقی صفحہ ۲۴۴ پر)

www.drhasanrizvi.org

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ (۳) اُسی نے آپؐ پر سچّی کتاب نازل کی جو
مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ پہلے آنے والی (کتابوں) کی تصدیق کرتی
وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۙ ہے۔ اور اُسی نے تورات اور انجیل
(اس سے پہلے، ہدایت کیلئے) نازل فرمائیں۔

(بقیہ صفحہ ۲۴۳ آیت ۲) ... جیسا کہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ "جس طرح بیٹا بغیر باپ کے تنہا خدا نہیں، اسی طرح باپ بغیر بیٹے کے تنہا خدا نہیں"۔ (انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن جلد ۲ صفحہ ۵۲۶)

آیت ۳: کتاب (قرآن) کے ساتھ "نَزَّلَ" کی لفظ تشدید کے ساتھ آئی ہے اور تورات و انجیل کے لیے "اَنْزَلَ" کا لفظ آیا ہے۔ اِس سے محققین نے نتیجہ نکالا کہ قرآن تو تدریجی طور پر اُترا اور تورات و انجیل یکجا طور پر اُتاری گئی تھیں (تفسیر صافی)

تورات اور انجیل قرآن کی نظر میں دو آسمانی کتابوں کے نام ہیں اور قرآن انھیں کی تصدیق بھی کرتا ہے۔ موجودہ بول چال میں تورات نام ہے متعدد صحیفوں کے مجموعے کا۔ ہر صحیفہ کسی نہ کسی نبیؑ کی جانب منسوب ہے لیکن کوئی صحیفہ اِس بات کا دعویٰ نہیں کرتا کہ لفظی اعتبار سے یہ خدا کے پاس سے اُترا ہے۔ اِسی طرح انجیل بھی چند صحیفوں کے مجموعے کا نام ہے جو گمنام لوگوں کی وہ حکایتیں ہیں جو وہ حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں بیان کرتے ہیں۔ کچھ حضرت عیسیٰؑ کے ملفوظات بھی ہیں۔ مگر ان میں سے کوئی صحیفہ عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق بھی آسمانی نہیں، بلکہ عیسائی صاف صاف کہتے ہیں "یہ مجموعہ حواریوں کے دور میں بلا ارادہ اور بلا توقع تیار ہو گیا"۔
(انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۳ طبع ۱۴)

www.drhasanrizvi.org

فرقان اور قرآن میں فرق

مِنۡ قَبۡلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ (۴) اس سے پہلے تمام انسانوں کی ہدایت

اَنۡزَلَ الۡفُرۡقَانَ ۗ اِنَّ الَّذِيۡنَ کے لیے اور حق و باطل میں فرق دکھانے

كَفَرُوۡا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمۡ والی کتاب (فرقان) بھی نازل فرمائی۔[۱]

عَذَابٌ شَدِيۡدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيۡزٌ بیشک جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں کو ماننے

ذُوۡ انۡتِقَامٍ ۝ (۴) سے اِنکار کردیا، اُن کے لیے سخت سزا ہے

اور خدا ہر چیز پر غالب، بے پناہ طاقتور اور بُرائی کا بدلہ لینے والا ہے۔[۲] ۔۔۔۔۔۔۔۔ (۴)

آیت ۴ : حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا نے فرمایا:

"ساری کتاب قرآن ہے۔ اور فرقان اُس کا وہ حصّہ ہے جو محکم اور واجب العمل ہے۔ غرض جس قدر محکم آیات ہیں وہ فرقان ہیں۔ فرقان ہر محکم امر ہے اور کتاب کے معنی قرآن ہیں۔

(کافی، جوامع، تفسیر قمی و تفسیر عیاشی)

احادیثِ اہلِ بیت سے معلوم ہوتا ہے کہ فرقان قرآن کا وہ حصّہ ہے جو محکمات کی حیثیت رکھتا ہے اور جو اصولِ دین کا مأخذ ہے۔ (تفسیر صافی بحوالہ کافی از امام جعفر صادق ؑ)

فرقان خاص طور پر اُس امتیاز کو کہتے ہیں جو حق و باطل کے درمیان ہو۔ (امام راغب)

لیکن کچھ مفسّرین کے لیے یہ لفظ فرقان اسمِ جنس ہے تمام کتبِ آسمانی کے لیے۔ (کشاف)

ایک قول یہ بھی ہے کہ فرقان سے مراد وہ معجزات اور دلائلِ نبوّت ہیں جو پیغمبروں کو عطا ہوتے ہیں۔ (تفسیر کبیر) لیکن اکثر اہلِ سنّت کے نزدیک فرقان سے مراد پورا قرآن ہے۔ (ابن جریر عن قتادہ والربیع و قرطبی) *

* (باقی صفحہ ۲۴۶ پر ملاحظہ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

خدا سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں

إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ (٥) فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ۝ (٥)

بیشک زمین و آسمان کی کوئی چیز بھی خدا سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔

هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي (٦) الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ (٦)

وہی تو ہے جو (تمھاری ماؤں کے) پیٹ میں تمھاری شکلیں جیسی چاہتا ہے بناتا ہے (کیونکہ) اُس کے سوا کوئی معبود ہے ہی نہیں۔ وہی ہر کام پر غالب زبردست حکمت والا ہے۔ (٦)

(بقیہ از صفحہ ۲۴۵ آیت ۴): ... خدا کا فرمانا کہ میں "عزیز" ہوں یعنی زبردست طاقت والا، ہر سزا پر قادر اور ہر حال میں سب سے طاقتور اور بالا دست۔ خدا کی یہ صفت بتاتی ہے کہ وہ کسی انسان میں حلول نہیں فرماتا۔ اور پھر خدا کا یہ فرمانا کہ "وہ بڑا انتقام لینے والا ہے" تو یہ بتاتا ہے کہ خدا رحیم بھی ہے اور عادل بھی۔ اُس کے عدل کا اظہار مجرموں، سرکشوں کے سامنے ہوگا۔

وہ جیسی چاہتا ہے صورتیں بناتا ہے

آیت ۶: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا "اللہ جس وقت کسی بندے کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو آدمؑ سے اُس کے باپ تک جتنی صورتیں گذری ہیں، سب کو جمع فرماتا ہے۔ پھر اُن کو اُن میں سے کسی ایک صورت پر پیدا کر دیتا ہے۔ لہٰذا کوئی شخص اپنے بیٹے کے بارے میں یہ نہ کہے کہ وہ مجھ سے یا میرے باپ دادا سے ذرا بھی مشابہ نہیں۔"

(تفسیر صافی صفحہ ۲۷۹ و من لا یحضرہ الفقیہ)

www.drhasanrizvi.org

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ (۷) وہی (خدا) ہے جس نے (یہ) کتاب
الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ (قرآن) تم پر نازل کی جس میں کچھ آیتیں
هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ تو 'محکم' (واضح) ہیں۔ وہی اس کتاب
مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ کی اصل (بنیاد) ہیں۔ اور دوسری
فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ (آیتیں) متشابہ (یعنی جن کے کئی معنی
مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ نکالے جاسکیں) اب[1] جن لوگوں کے دلوں
وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ۚ وَمَا یَعْلَمُ میں ٹیڑھ ہے وہ تو ان ہی آیتوں کے
تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ پیچھے پڑے رہتے ہیں تاکہ گمراہی اور فتنہ و
فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ فساد برپا کریں اور اپنے مطلب پر اُن کو
كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا ڈھال کر اپنی مرضی کے معنی پہنا دیں۔
یَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ (۷) حالانکہ خدا اور اُن لوگوں کے سوا جو علم میں
بہت ہی مضبوط ہیں[2]، ان آیتوں کا اصل مطلب کوئی نہیں جانتا (جو یہ) کہتے ہیں: "ہم اِن
پر ایمان لائے، یہ سب کی سب ہمارے رب ہی کی طرف سے (اُتری) ہیں"۔ اور صرف عقل والے ہی
(یہ سب باتیں) سمجھ سکتے ہیں۔ ——— (۷)

---

[1] آیت ۷ کی وضاحت: قرآن مجید کی واضح صریح آیتیں جن کے معنی میں کوئی اشتباہ نہیں ہوتا "محکم آیات" کہلاتی ہیں۔ (راغب، روح، قرطبی عن جابر ابن عبداللہ، جصاص) اور اُمّ (ماں) ہر شے کی

(باقی صفحہ ۲۴۸ پر ملاحظہ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

(بقیہ از صفحہ ۲۴۷ آیت ۷ کی وضاحت): ... اصل کو کہتے ہیں۔ (راغب) لہٰذا جو آیتیں واضح وصاف ہیں اور جن کے ایک ہی معنیٰ نکلتے ہیں وہ "محکم" ہیں، وہی اصل مدار ومعیار ہیں۔ جن آیتوں کے کئی کئی مطالب نکلتے ہیں اُن کو اُنھیں آیتوں کے حوالے سے سمجھنا چاہیے۔ (تفسیر کبیر۔ جصّاص)

"متشابہ" ایسے کلام کو کہتے ہیں جو دوسرے کلام سے ایسا ملتا جلتا ہو کہ ایک دوسرے سے الگ کرنا مشکل ہو اور اُس کی تفسیر میں مختلف پہلو نکلتے ہوں۔ (راغب، تفسیر کبیر، قرطبی عن مجاہد ابن اسحاق)

غرض وہ آیتیں متشابہات ہیں جو ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں۔ اسی لیے اِن میں بظاہر شکوک پیدا ہوتے ہیں اور لوگ حقیقتِ حال سے واقف نہیں ہو سکتے۔ اُن کا مطلب سمجھنے کے لیے بہت غور وخوض اور تحقیق درکار ہے۔ اُن آیتوں کے اُتارنے کا مقصد یہ بھی ہے کہ اللہ اپنے خاص بندوں کی فضیلت ظاہر کرے کہ وہ کس طرح اِن آیات کو سمجھاتے ہیں اور کس طرح اُن کا ربط محکمات کے ساتھ پیدا کر سکتے ہیں، اور کس طرح اُن کے ذریعے سے خدا کی معرفت اور توحید تک پہنچتے ہیں۔ (القرآن المبین)

۲ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ "راسخون فی العلم یعنی علم میں مضبوط یا راسخ ہم آلِ محمدؐ ہیں۔ اور ہم قرآن کی پوری پوری تاویل سے واقف ہیں۔"

(تفسیر صافی ص۹۷۔ تفسیر عیاشی بحوالہ کافی)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ "راسخون فی العلم میں سب سے افضل رسولِ خداؐ ہیں جن کو خدا نے ہر چیز کا علم اور تاویل تعلیم دی۔ خدا کوئی چیز آپؐ پر نازل نہیں کرتا تھا جب تک اُس کی تاویل کا علم آپؐ کو نہیں دے دیتا تھا۔ آپؐ کے بعد آپؐ کے اوصیاء

(باقی صفحہ ۲۴۹ پر ملاحظہ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

(بقیہ از صفحہ ۲۴۸ آیت ۷ کی وضاحت)

... (یعنی آئمہ اہلِ بیتؑ) راسخ ہیں۔

(تفسیر صافی و تفسیر عیاشی)

"رسوخ" کے معنی مضبوط ہو جانا، اور جڑ کے جم جانے کے ہوتے ہیں تو راسخون فی العلم وہ ہیں جن کے دلوں میں دین کے حقائق جڑ پکڑ چکے ہوں۔ (قرطبی)

علامہ بلاغی نے شیعہ سنی روایات نقل کر کے ثابت کیا ہے کہ تاویلِ قرآن کا علم اللہ کے خاص بندوں کو حاصل ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر اُن آیتوں کو اُتارنا لاحاصل اور بے مقصد ہوگا۔ (آلاء الرحمٰن از علامہ جواد بلاغی)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: "راسخین فی العلم وہ لوگ ہیں جن کے درمیان اُن کے علم میں اختلاف نہیں ہوتا۔" (الکافی)

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: "معلوم ہونا چاہیے کہ علم میں راسخ لوگ وہی ہیں جنھیں خدا نے غیب کے پردوں میں دراندہ گھسنے سے بے نیاز بنا دیا ہے۔ اُن کے اجمالی طور پر اقرار نے اُن تمام باتوں کے ساتھ جن کی چھپی ہوئی تفصیلات کو وہ نہیں جانتے۔ اللہ نے اُن کی مدح کی ہے اس بات پر کہ وہ جن چیزوں کے علم پر حاوی نہیں اُن تک رسائی سے اپنی عاجزی کا اقرار کرتے ہیں اور جن باتوں کی حقیقت جاننے پر اُنھیں مامور نہیں کیا گیا ہے اُن میں گہرائی تک پہنچنے کی کوشش نہ کرنے ہی کا نام علم میں راسخ ہونا قرار دیا ہے۔" (نہج البلاغہ)

آیت کا پیغام یہ بھی ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں حق کی تلاش نہیں ہوتی وہ ہمیشہ اس چکر میں لگے رہتے ہیں کہ دین میں کوئی نئی بات پیدا کر کے اپنا نام پیدا کریں۔ یہ لوگ بجائے اسکے کہ خود دین پر چلیں دین کو اپنی راہ پر چلانا چاہتے ہیں۔ (ابنِ جبر ۔ مدارک) بقول اقبالؔ: خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں۔

www.drhasanrizvi.org

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ (۸) (وہی لوگ اللہ سے دعا کرتے ہیں) اے
اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ ہمارے پالنے والے! ہمارے دلوں
لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنْتَ کو سیدھے راستے پر لگا دینے کے بعد
الْوَهَّابُ ○ (۸) پھر اُن کو ٹیڑھا نہ ہونے دے اور
ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما۔ اس میں تو کوئی شک ہی نہیں ہے کہ تُو بڑا ہی عطا
کرنے والا ہے۔ ———————— (۸)

<u>آیت ۸ کی وضاحت:</u> "ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ ہونے دے۔" یعنی اپنی خاص توفیقات کو ہمارے شاملِ حال رکھ تاکہ ہمارے دل حق سے مڑ نہ جائیں تاکہ ہم ہدایت پر قائم رہیں۔

(مجمع البیان)

اور یہی توفیق وہ رحمت ہے جس کو آئندہ کے لیے بھی طلب کیا جا رہا ہے۔ یہ رحمت توفیق اور مدد کے معنی میں ہے۔ (تفسیر صافی)

قرآن میں دوسری جگہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ خدا کی توفیقات اُس وقت سلب ہوتی ہیں جب انسان از خود خدا کی ہدایات سے منہ موڑ لیتا ہے۔ جیسے ارشاد فرمایا:

"وہ ٹیڑھے ہوئے تو خدا نے بھی دلوں کو ٹیڑھا ہونے دیا۔" (سورہ صف آیت ۵)

اِس لیے اِس آیت سے جبر ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ (فصل الخطاب)

رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ (۹)
لِيَوۡمٍ لَّا رَيۡبَ فِيۡهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
لَا يُخۡلِفُ الۡمِيۡعَادَ ۝ ع (۹)

اے ہمارے پالنے والے! بیشک تُو ایک دِن ضرور تمام لوگوں کو جمع کرے گا جس دن کے آنے میں کوئی شک وشُبہ نہیں ہے۔ یقیناً خدا وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَنۡ تُغۡنِىَ (۱۰)
عَنۡهُمۡ اَمۡوَالُهُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُهُمۡ
مِّنَ اللّٰهِ شَيۡـًٔا ؕ وَاُولٰٓـئِكَ هُمۡ
وَقُوۡدُ النَّارِ ۝ (۱۰)

یقیناً جن لوگوں نے (اِن حقائق سے) انکار کیا تو اللہ کے سامنے نہ تو اُن کا مال ہی کچھ کام آئے گا اور نہ اُن کی اولاد۔ اور وہی لوگ جہنّم کا ایندھن بن کر رہیں گے۔ (۱۰)

كَدَاۡبِ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ وَ (۱۱)
الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ كَذَّبُوۡا
بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ
بِذُنُوۡبِهِمۡ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيۡدُ
الۡعِقَابِ ۝ (۱۱)

اُن کا انجام ویسا ہی ہوگا جیسا کہ فرعون کی اولاد اور اُن سے پہلے والوں کا ہو چکا ہے۔ اُنھوں نے ہماری آیتوں (نشانیوں) کو جھٹلایا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ خدا نے اُنھیں اُن کے گناہوں پر پکڑ لیا۔ کیونکہ اللہ بڑی سخت سزا دینے والا ہے۔ (۱۱)

دین کے منکروں اور حضرت کی آیتوں کو جھٹلانے والوں کا انجام

www.drhasanrizvi.org

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا (۱۲) سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ○ (۱۳)

جن لوگوں نے ابدی حقائق کو ماننے سے انکار کر دیا ہے اُن سے آپؐ کہہ دیجئے کہ وہ وقت بہت قریب ہے کہ تم مغلوب ہو کر جہنّم کی طرف ہانکے جاؤ گے اور وہ (جہنّم) تو بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے۔

آیت ۱۲ کی وضاحت: بعض مفسّرین نے اِس پیشینگوئی کا مصداق بدر میں کافروں کی شکست کو ٹھہرایا ہے۔ (بیضاوی، بحر)

لیکن اکثر نے مدینے میں یہودیوں کی شکست اور پامالی کو مراد لیا ہے (قرطبی از ابنِ عباسؓ رض)

لیکن بہتر ہوگا کہ لفظ کا اطلاق عام رکھا جائے۔ نزولِ قرآن کے وقت مسلمانوں کی بےبسی دیکھ کر کوئی یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مسلمان مکّے کے مشرکوں یا یہودیوں سے ایسی زبردست ٹکّر لیں گے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ:

تم جو یہ رسولوںؑ سے مقابلہ کر رہے ہو اِس میں تمھاری شکست ہوگی (جلالین) اور پھر دوزخ کی طرف بھی بھیجے جاؤ گے۔ یعنی ہو سکتا ہے کہ دنیا میں تم کتنی ہی کامیابیاں حاصل کر لو مگر آخر میں تم اللہ کے مقابلے پر بےبس ہو جاؤ گے۔ (فصل الخطاب)

بہرحال دوسرا مفہوم آیت کے متن سے قریب تر ہے۔ یعنی دونوں باتیں آخرت سے متعلّق ہیں۔

www.drhasanrizvi.org

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِیْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰی كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْیَ الْعَيْنِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾

(۱۳) تمہارے لیے اُن دو گروہوں میں جو (بدر کے میدان میں) ایکدوسرے سے لڑتے تھے (رسُول کی سچائی کا ایک بہت بڑا) نمونہ ہے ایک گروہ تو اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا گروہ کافر تھا، جن کو وہ (مسلمان) اپنی آنکھ سے دُوگنا دیکھ رہے تھے۔ مگر خدا جس کی چاہتا ہے اپنی مدد سے تائید کرتا ہے۔ بیشک بصیرت رکھنے والوں کے لیے اِس (واقعہ) میں بڑا سبق ہے (۱۳)

آیت ۱۳ کی وضاحت : بدر کے دن مشرکوں کو مسلمان اپنی تعداد سے دُوگنے نظر آتے تھے یا یہ کہ مسلمان جسقدر بھی تھے اُس سے دُوگنے نظر آتے تھے جبکہ مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ (۳۱۳) تھی اور کافر ایک ہزار سے بھی زیادہ تھے۔

ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ مومنوں کو مشرکوں کی تعداد اپنے سے دُوگنی دکھائی دے رہی تھی جبکہ مشرک تین گُنا سے بھی زیادہ تھے۔ (تفسیر صافی ص ۸۰)

غرض بدر کی مثال دے کر بتایا گیا کہ اگرچہ کفّار کی تعداد بہت زیادہ تھی مگر اُنھیں شکست ہوئی اور اہلِ ایمان غالب آئے۔ یہ صرف نصرتِ خدا کا نتیجہ تھا۔ اِس لیے اب کافروں کو کبھی اپنی تعداد پر ناز نہ کرنا چاہیے اور مسلمانوں کو تعداد کی کمی پر خوف نہ کھانا چاہیے۔

www.drhasanrizvi.org

لوگوں کی پسندیدہ چیزیں اور ان کی حقیقت

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ (١٤)
مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ
الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَ
الْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَ
الْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ
حُسْنُ الْمَاٰبِ ○ (١٤)

لوگوں کے لیے اُن کی مرغوب اور بہت پسندیدہ چیزیں (مثلاً) عورتیں، اولاد، سونے چاندی کے ڈھیر، اعلیٰ قسم کے گھوڑے، مویشی اور زرعی زمینیں بہت ہی بھلی اور خوبصورت بنا دی گئی ہیں، مگر یہ سب تو دُنیا کے (چند روزہ) فائدے ہیں (جبکہ ہمیشہ کا) اچھا ٹھکانا تو اللہ ہی کے پاس ہے ـــــ (١٤)

آیت ١٤ کی وضاحت : شہوات سے مراد "دل پسند چیزیں"۔ (راغب، کشاف)

پھر پسندیدہ چیزوں کے نام نمونے کے طور پر دیے گئے ہیں۔ محققین نے نتیجہ نکالا کہ ان تمام چیزوں کی طرف انسان کی رغبت فطری ہے، اس لیے گناہ نہیں۔ صرف ان چیزوں کے شوق کو عقلِ سلیم اور احکام شریعت کے تحت رکھنا ضروری ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اس قسم کی چیزیں بہت زیادہ دل لگانے کے قابل نہیں۔ البتہ جائز طور پر حاصل کر کے استعمال کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں۔ یہ زندگی گذارنے کا ذریعہ ہیں، مقصدِ حیات نہیں۔ جب یہ چیزیں خود فانی ہیں تو ان کو مقصد بنانا خود کو فنا کرنا ہے۔ (بحر) اس لیے دائمی اور غیر فانی راحت کیلئے فکر و عمل ضروری ہے کیونکہ آخرت کی لذتوں کے مقابلے میں دنیا کی بڑی سے بڑی لذت بھی بے معنی چیز ہے (قرطبی) ٭

٭ (باقی صفحہ ٧٥ پر ملاحظہ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

(بقیہ از صفحہ ۲۵۴ آیت ۱۴) جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"میرے بعد مَردوں کے لیے عورتوں سے بڑھ کر اور کوئی نقصان دہ فتنہ نہیں۔ نیز ارشاد فرمایا کہ یہ شیطان کا جال ہیں۔ (مجمع البیان)

قناطیر، قِنطار کی جمع ہے۔ قنطار کے معنی' اسقدر سونے کے ہوتے ہیں جو ایک بیل کی کھال میں سما جائے۔ (تفسیر صافی ص۸۰)

آیت میں نیک اعمال انجام دینے کی تعلیم دی گئی ہے یہ بتا کر کہ دنیا کی تمام لذّتیں عارضی اور فنا ہو جانے والی ہیں اور آخرت کی نعمتیں حقیقی' ابدی اور غیر فانی ہوں گی۔ (القرآن المبین)

محققین نے نتیجہ نکالا کہ دُنیوی ساز و سامان کی محبّت بجائے خود کوئی بُری چیز نہیں کیونکہ وہ انسانی فطرت کا فطری تقاضا ہے۔ لیکن جب دُنیا کا فائدہ آخرت کے فائدے سے ٹکرائے تو ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کا بندہ آخرت کے فائدوں کو ترجیح دے۔

(مجمع البیان، تفسیر صافی)

اِس صورت میں اِن چیزوں کو خوبصورت بنا دینے کا فاعل خدا کو سمجھا جائے تو کوئی حرج نہیں اِس لیے کہ خدا نے دنیوی چیزوں کی خواہش ہمارے دلوں میں رکھ دی ہے تاکہ اجتماعی اور تمدّنی مفادات کی حفاظت ہو سکے۔ (بلاغی)

www.drhasanrizvi.org

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ (۱۵)

(۱۵) کہدیجیے کہ میں تمھیں ان تمام چیزوں سے بہتر چیز بتادوں؟ (وہ یہ کہ) جو لوگ برائیوں سے بچتے اور فرائضِ الٰہیہ کو ادا کرتے رہے اُن کے لیے اُن کے رب کے پاس گھنے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور وہ اُن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، پاک و پاکیزہ بیویاں (اُن کی ساتھی ہوں گی، اور بہترین بات یہ کہ) اللہ کی خوشنودی اُن کو حاصل ہوگی اور خدا اپنے ایسے بندوں کو (محبت سے) دیکھ رہا ہے (۱۵)

آیت ۱۵ کی وضاحت : خوفِ خدا پر خدا کی رحمت اور خدا کی توجہ ہماری طرف ہونے کا ذکر قرآن اور دوسری آسمانی کتابوں میں بکثرت ملتا ہے۔ " اور خدا کا رحم اُن پر جو اُس سے ڈرتے ہیں پُشت در پُشت رہتا ہے۔ (لوقا ۱ : ۵)

" وہ وقت آپہنچا ہے کہ بڑے بڑے نبیوں اور مقدس ہستیوں اور چھوٹے بڑوں کو جو تیرے نام سے ڈرتے ہیں، اجر دیا جائے گا۔ " (توریت)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا ؐ نے ارشاد فرمایا کہ : " دُنیا اور آخرت کی لذتوں میں عورتوں سے زیادہ کوئی لذت نہیں، اسی لیے خدا نے سب سے پہلے عورتوں کی لذت کا ذکر فرمایا۔ جنت کے لوگ بھی عورتوں کی محبت سے زیادہ --

(باقی صفحہ ۲۵۷ پر ملاحظہ فرمائیں)

ذٰلکم کی تفسیر عورتوں سے ... (hand-written margin note)

www.drhasanrizvi.org

(بقیہ از صفحہ ۲۵۶ آیت ۱۵) ۔۔۔ کسی اور چیز کے خواہشمند نہ ہوں گے۔"

آیت میں نعمتوں کے تین درجے بیان کیے گئے ہیں۔ سب سے ادنیٰ "متاعِ دُنیا" ہے۔ اور سب سے اعلیٰ خدا کی خوشنودی ہے۔ اور درمیانی نعمت جنّت اور اُس کی لاانتہا نعمتیں ہیں۔ (تفسیر عیاشی، تفسیر صافی ص۸ بحوالہ کافی)

اگرچہ دُنیا کی جائز نعمتیں بھی اللہ کی رحمت کا مظہر ہیں، مگر خدا کی نعمتوں کے مراتب ہیں۔ دُنیا کی نعمتیں بہرحال ادنیٰ درجے کی ہیں اور اُس سے بلند و بالا جنّت کی نعمتیں ہیں۔ اور اِن سب سے بلند و بالاتر خدا کی رِضا یا خوشنودی ہے جس کے لیے فرمایا:

"اللہ کی ذرا سی خوشنودی بھی بڑی سے بڑی چیز ہے۔" (قرآن) التوبہ آیت ۷۲

غرض قرآن نے اِس بات پر بڑا زور دیا ہے کہ اہلِ جنّت کے لیے راحت و لذّت کا ہر قسم کا سامان ہوگا۔ مادّی، ذہنی، روحانی لطف سب میسّر ہوگا۔ بیویاں صاف سُتھری، ہر قسم کی پاکیزگی، لطافت اور لطف کا سامان ہوں گی۔ لیکن خدا کی رِضا سب سے اہم چیز ہے۔ رضوان پر دو پیش اظہارِ عظمت کے لیے ہیں (روح)

جناب رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: "اولاد میوۂ دل اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور باعثِ بُزدلی، بُخل اور حُزن و غم بھی ہے۔

(تفسیر انوار النجف ص۲۰۵ جلد ۳)

www.drhasanrizvi.org

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ (۱۶) اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۚ (۱۶)	جو دعا کرتے ہیں: "اے ہمارے پالنے والے! ہم ایمان لائے پس تو ہمارے گناہوں کو معاف کر دے اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچالے۔

آیت ۱۶ کی وضاحت: ایمان لانے پر گناہوں کی معافی طلب کرنا بتاتا ہے کہ گناہوں کی معافی میں جو چیز حائل ہوتی ہے وہ خدا پر ایمان کی کمی۔ اب جب یہ مانع ہی دور ہوگیا تو اب گناہوں کی معافی کا امکان پیدا ہوگیا۔ ایمان کے ہونے سے خدا کی رحمتوں کا نزول شروع ہوجاتا ہے۔

(تفسیرِ کبیر۔ بحر۔ روح)

محققین نے لکھا کہ اِس جگہ صرف ایمان کو دعا میں پیش کرنا بتاتا ہے کہ آخرت کی کامیابی کا پہلا معیار ایمان ہے۔ لیکن یہ نتیجہ نکالنا کہ عمل کی ضرورت نہیں اِس لیے غلط ہے کہ اسی آیت کے شروع میں خدا نے تقوٰی کا حوالہ دیا ہے جو حُسنِ عمل ہی کا دوسرا نام ہے لیکن اعمال کی صحت اور قبولیت کا دار مدار کیونکہ ایمان پر ہے اس لیے قبولیت دعا کے لیے صرف ایمان کا حوالہ دیا جارہا ہے۔ اگر ایمان ہی نجات کے لیے کافی ہوتا تو پھر ایمان کو پیش کرنے کے بعد گناہوں کی معافی اور جہنم کی آگ سے بچانے کی درخواست ہی کیوں کرتے؟ البتہ یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ ایمان کے ہوتے ہوتے گناہوں کی معافی کا امکان ہے۔

(فصل الخطاب)

مومن کی صفات

اَلصّٰبِرِیْنَ وَ الصّٰدِقِیْنَ (۱۷) (یہ لوگ زحمتوں پر) صبر کرنے والے
وَ الْقٰنِتِیْنَ وَ الْمُنْفِقِیْنَ سچ بولنے والے، حکم ماننے والے،
وَ الْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ ۝ (۱۷) قنوت پڑھنے والے، خیرات کرنے والے
اور سحر[۱] کے وقت اللہ سے استغفار یعنی معافی مانگ کر گناہ بخشوانے والے ہیں۔ (۱۷)

آیت ۱۷ کی وضاحت: [۱] "سحر" اُس وقت کو کہتے ہیں جب رات کی تاریکی صبح کی روشنی سے مل رہی ہو۔ (راغب)۔۔ یہ وقت خاص طور پر دل جمعی اور روحانی طاقتوں کو بیدار کرنے کا ہے۔ بقول اقبال۔ ع "کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی" کیونکہ اُس وقت اُٹھنا مشکل بھی ہوتا ہے۔ اس لیے صبر کی فضیلت بھی حاصل ہوتی ہے اور دل جمعی کی وجہ سے فروتنی بھی بکمال محسوس ہوتی ہے۔ یہ تمام اولیاءِ خدا کی صفت بیان کی گئی ہے۔ (ماجدی)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا ؐ نے ارشاد فرمایا: "جو شخص صبح کے وقت ستّر مرتبہ استغفار پڑھے گا، وہ اِس آیت کے اہل میں شمار ہوگا۔" (تفسیر مجمع البیان)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا ؐ نے ارشاد فرمایا: "جو شخص نمازِ وتر میں کھڑے ہو کر ستّر مرتبہ "استغفر اللہ ربی ... الخ" (یعنی میں اپنے پالنے والے مالک سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرتا ہوں) پڑھے اور پورے ایک سال پڑھتا رہے تو خدا اُس کو صبح کے تڑکے میں استغفار کرنے والوں میں لکھ لے گا۔ اور اُس کی مغفرت اپنے اوپر واجب فرمالے گا۔"

(باقی صفحہ ۲۶ پر ملاحظہ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (۱۸)

اللہ نے خود اِس بات کی گواہی دی ہے کہ اُس کے سِوا کوئی معبود (خدا) ہے ہی نہیں۔ اور تمام فرشتے اور سب اہلِ علم جو عدل[1] پر قائم ہیں، اِس پر گواہ ہیں کہ اُس غالب اور زبردست حکمت والے کے سِوا کوئی معبود نہیں ہے۔ (۱۸)

بقیہ از صفحہ ۲۵۹ آیت ۱۷ :- صبح کی تخصیص اِس لیے ہے کہ اُس وقت دُعاء زیادہ قبول ہوتی ہے کیونکہ اُس وقت کی عبادت سخت ہوتی ہے، نفس، دل و دماغ صاف ہوتے ہیں۔ خدا کا خوف غالب ہوتا ہے۔ (تفسیر صافی ص۸۰) - - - غرض سحر کو اُٹھنا اور نمازِ تہجد پڑھنا بڑی خاص عبادت ہے۔ اُس وقت گناہوں کی معافی مانگنا اِس لیے مفید ہے کہ دل کی توجہ پوری طرح ہوتی ہے۔ اِس لیے امکان ہے کہ دعاء قبول ہو اور اُس وقت خدا کے سامنے اپنی انکساری اور عاجزی کا اظہار یقیناً خدا کی رحمت کا سبب بن سکتا ہے کیونکہ اُس وقت اُٹھ کر عبادت کرنا مشکل کام ہے۔ (تفسیر صافی)

اِس میں ریاکاری نہیں ہوتی۔ (بلاغی)

آیت ۱۸ کی وضاحت :- محققین نے اِس آیت سے علماء کا خاص شرف ثابت کیا ہے (قرطبی)

[1] "عدل" سے مراد خدا کا ہر شے کو اُسکے مناسب محل پر رکھنا ہے۔ آیت کا مطلب یہ بھی ہے کہ خدا غالب بھی ہے اور حکمت والا بھی۔ اب نہ اُسے قوّت کے لحاظ سے کسی شریک کی ضرورت ہے اور نہ علم و حکمت کے اعتبار سے کسی شریک کی ضرورت ہے

(باقی تفسیر صفحہ ۲۶۱ پر ملاحظہ فرمائیں)

خدا کی بہترین معرفت اور گواہی — عدل اور علماء کی فضیلت کا بیان

www.drhasanrizvi.org

(بقیہ از صفحہ ۲۶۰ آیت ۱۸)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ:

جناب رسولِ خدا ص نے ارشاد فرمایا: "اولوالعلم (یعنی) علم والوں سے (اوّلین) مراد انبیاء اور اوصیاء ہیں۔ وہی لوگ حقیقی معنیٰ میں عدل پر قائم رہنے والے ہیں۔

(تفسیر صافی ص۸۰ و تفسیر عیاشی)

اللہ کی گواہی سے مراد، یہ ہے کہ خدا نے اپنی تجلیاتِ قدرت سے اپنی یکتائی کو ثابت کیا اور اپنی آیتوں اور دلیلوں سے اُس کو ذہن نشین کیا۔ (شاہ ولی اللہ۔ جلالین)

اور اہلِ علم نے خدا کی یکتائی کی گواہی اپنے اقوال سے بھی دی اور اپنے اعمال استقلال اور قربانیوں سے بھی۔ (تفسیر صافی)

اور خدا کا یہ فرمانا کہ "خدا پوری پوری عدالت کے ساتھ قائم ہے"۔ بتاتا ہے کہ صرف توحید کی گواہی کافی نہیں۔ خدا کے عدل کی گواہی دینا بھی ضروری ہے۔ خدا کی توحید کے ساتھ خدا کا عدل اصولِ دین کا لازمی جُزو ہے۔ اور آخر میں خدا کا خود کو عزیز و حکیم کہنا بھی اِسی بات کو ثابت کرتا ہے کہ خدا کی حکمت اُس کی عدالت کے ساتھ وابستہ ہے۔ جو خدا کی عدالت کو ضروری نہیں سمجھتا وہ حقیقت میں خدا کی حکمتِ مطلقہ کا بھی قائل نہیں۔ (فصل الخطاب)

★ آیتِ مجیدہ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ ... الْحَكِيْمُ ⑱ کے متعلق انس نے جناب رسولِ خدا ص سے روایت کیا ہے کہ سوتے وقت اِس آیتِ مجیدہ کی تلاوت کرے تو خداوندِ عالم ستّر ہزار مخلوق پیدا فرماتا ہے جو تا قیامِ قیامت اُس کے لیے استغفار کرتے رہیں گے۔ نیز یہ بندہ خدا کے رُوبرُو پیش ہوگا تو خدا فرمائے گا کہ اِس بندے کا مجھ سے عہد ہے اور میں عہد پورا کرنے کا سب سے بڑا حقدار ہوں پس اِس بندے کو داخلِ جنّت کرو

(تفسیر انوار النجف جلد ۳ صفحہ ۲۰۷)

www.drhasanrizvi.org

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ (۱۹)
الْاِسْلَامُ قف وَمَا اخْتَلَفَ
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ
اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ
الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ط وَمَنْ
يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ
اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ○ (۱۹)

اللہ کے نزدیک (سچا) دین
صرف اسلام ہے[۱]۔ اور اہلِ کتاب
نے جو اختلاف کیا ہے تو وہ محض
آپس کی ضد اور حسد کے سبب سے
اور (حقیقت کے) معلوم ہو جانے کے[۲]
بعد تو جس شخص نے بھی خدا کی نشانیوں کا
انکار کیا تو (وہ جان لے کہ) یہ حقیقت
ہے کہ اللہ بہت ہی جلد حساب لینے والا ہے۔

آیت ۱۹ کی وضاحت : [۱] یعنی۔ اسلام کے سوا کوئی دین اللہ کی مرضی کے مطابق نہیں اِسلام سے مراد : خدا کی توحید کا اقرار اور خدا کے بھیجے ہوئے قانون کی پابندی کرنا ہے۔ یہ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی محبت اور اتباع کے بغیر ممکن نہیں۔ (تفسیرِ صافی ص۸)

اِسی لیے امام محمد باقر علیہ السّلام سے روایت ہے کہ امیرالمومنین حضرت علی علیہ السّلام نے فرمایا: "ہر چیز کی کوئی بُنیاد ہوتی ہے۔ اور اسلام کی بُنیاد ہم اہلِ بیتِ رسولؐ کی محبت ہے" (تحف العقول)

امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا: "اسلام ایمان سے مقدم ہے۔ وراثتوں کا لینا دینا اور نکاحوں کا ہونا اِسلام پر منحصر ہے۔ اور ایمان وہ ہے جس پر ثواب حاصل ہوتا ہے۔ (تفسیر صافی ص۸۰ بحوالہ کافی)

[۲] یہ حق سے بغاوت صرف حسد اور عداوت کی بنا پر تھی جس طرح مشرکین کو یہ تعصب تھا کہ

(باقی ص۲۶۳ پر ملاحظہ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ (۲۰) پس اگر یہ لوگ اب بھی تم سے مباحثہ اور
وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ جھگڑا کریں تو کہدو کہ میں نے اور میری
وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ پیروی کرنے والوں نے خدا کے سامنے
وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اپنا سر جھکا دیا ہے۔ پھر تم اہلِ کتاب
اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ اور اَن پڑھوں (غیر اہلِ کتاب) سے
تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَ پوچھو "کیا تم نے بھی اسلام قبول کیا؟"
اللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ اگر وہ اسلام لے آئے تو سیدھے راستے پر

آ گئے۔ اور اگر اسلام سے منہ موڑا تو تم پر تو صرف پیغام کا پہنچانا تھا اور اللہ اپنے بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے۔

(بقیہ از صفحہ ۲۶۲ آیت ۱۹ : ... یہ قرآن کسی امیر آدمی پر کیوں نہ اترا، اسی طرح بنی اسرائیل کو یہ حسد تھا کہ نبوّت کا یہ منصب اولادِ اسحاق سے نکل کر اولادِ اسماعیل میں کیوں چلا گیا ؟ (تفسیر صافی)

آیت ۲۰ کی وضاحت : "اسلمت وجھی" کے لفظی معنیٰ تو یہی ہیں کہ "میں نے اپنے منہ کو اللہ کے حوالے کر دیا"۔ لیکن یہ ترجمہ عربی کے محاورے کے مطابق ہے۔ اُردو کے محاورے کے مطابق یوں کہا جائے گا کہ "ہم نے اپنے کو سراسر خدا کے حوالے کر دیا"۔ یہی اسلام کے پیغام کی اصل حقیقت ہے۔ مسلمان کوئی اعزازی لقب نہیں، بلکہ یہ ایک وصف ہے یعنی اپنے کو بالکل اللہ کے حوالے کر دینا۔ (فصل الخطاب)

بقول اقبالؔ

یہ شہادت گہِ اُلفت میں قدم رکھنا ہے ⁂ لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

www.drhasanrizvi.org

انبیاءؑ اور عدل و انصاف کی ترغیب دینے والوں کے قاتلوں کا دردناک انجام

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ (۲۱) اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ (۲۱)

بیشک جو لوگ اللہ کی ہدایات اور نشانیوں کو ماننے سے انکار کرتے ہیں اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کو قتل کرتے ہیں جو لوگوں کو عدل و انصاف کی ترغیب دیتے ہیں، پس اُن کو دردناک سزا کی خوشخبری سُنا دو۔

__آیت ۲۱ کی وضاحت__: محققین نے نتیجہ نکالا کہ جیسا گناہ انبیاءؑ کو قتل کرنا ہے، ویسا ہی گناہ اُن لوگوں کا قتل بھی ہے جو نیک راستوں پر چلنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ گویا ایسے لوگ اللہ کے نزدیک انبیاءؑ کی طرح محبوب ہیں اِسلیئے اُن لوگوں کے منکر رسولوںؐ کے منکروں کی طرح ہیں۔ (نیشاپوری)

جنابِ رسولِ خداؐ سے پوچھا گیا کہ قیامت کے دن کس شخص کو سب سے زیادہ سزا دی جائیگی؟ آپؐ نے فرمایا: ”جس شخص نے کسی نبیؑ کو قتل کیا ہوگا۔ یا کسی ایسے شخص کو قتل کیا ہوگا جو نیکیوں کی ترغیب دیتا تھا اور بُرائیوں سے روکتا تھا۔“ پھر حضورؐ نے اِسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ پھر ارشاد فرمایا: بنی اسرائیل نے دن کے اوّلین حصّے میں ۴۳ نبیوں کو قتل کیا۔ اِس پر بنی اسرائیل کے بارہ سو (۱۲۰۰) عابد قاتلوں کو سمجھانے کے لیے کھڑے ہوئے کہ اُنھیں اِس بُرائی سے روکیں اور نیکیوں کی ترغیب دیں۔ تو اُنھوں نے اُسی دن کے آخری حصّے میں اُن سب کو قتل کر دیا۔ خدا نے اِس آیت میں اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔“

(تفسیر صافی ص۱۸ و تفسیر مجمع البیان)

www.drhasanrizvi.org

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِّن نَّاصِرِينَ ۝ (۲۲)

(۲۲) یہی (انبیاء اور اولیاءِ خدا کو قتل کرنے والے) وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دُنیا اور آخرت میں برباد ہو گئے اور اُن کا کوئی بھی مددگار نہیں۔ (۲۲)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ وَهُم مُّعْرِضُونَ ۝ (۲۳)

(۲۳) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جن لوگوں کو کتاب (توراۃ کے علم) میں سے کچھ حصّہ ملا ہے۔ جب بھی انھیں کتابِ خدا کی طرف بلایا جاتا ہے، تاکہ وہ اُن کے درمیان فیصلہ کرے، تو اُن میں کا ایک گروہ بے رُخی کرتا ہوا منھ پھیر لیتا ہے۔[۲]

یہودیوں کی بے رخی اور ہٹ دھرمی

آیت ۲۲ کی وضاحت[۱]: دُنیا میں تو ایسے لوگوں کے اعمال اس طرح برباد ہوئے کہ دُنیا میں بھی ایسے لوگوں کو نہ تو نیکنامی حاصل ہوتی ہے اور نہ حقیقی عزّت۔ اور پھر مرنے پر دُنیا کے مفادات بھی اُن سے چھن جاتے ہیں۔ اور آخرت میں تو اُن کو اُن کی کسی نیکی کا بھی ثواب نہیں ملتا، بس عذاب ہی عذاب اور سزا پر سزا ملتی ہے۔

آیت ۲۳ کی وضاحت[۲]: مطلب یہ ہے کہ اہلِ کتاب کو اُن کی اپنی کتاب کے حوالے ہی سے رسولِ خدا کے پیغام پر غور کرنے کی دعوت دی جاتی ہے، مگر وہ منھ پھیر پھیر لیتے ہیں۔ ابنِ عباسؓ نے فرمایا کہ دو یہودیوں کے زنا کا مقدمہ حضورِ اکرمؐ کے سامنے پیش ہوا تو آپؐ نے شریعت کے اعتبار سے سزا دینی چاہی تو انھوں نے فیصلہ قبول نہ کیا۔ (جلالین، مجمع البیان، صافی)

(مجمع البیان وتفسیرِ صافی)

www.drhasanrizvi.org

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۖ وَّغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ○ (۲۴)

اُن کا یہ اندازہ اِس لیے ہے کہ یہ لوگ اِس بات کے قائل ہیں کہ جہنّم کی آگ تو ہم کو چھُوئے گی بھی نہیں۔ اور اگر چھُوئے گی بھی تو صرف گنتی کے چند دن۔ اور جو کچھ بھی یہ لوگ گھڑتے رہتے ہیں اُس نے اُن کے دینی معاملات میں اُن کو بڑے ہی دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ (۲۴)

آیت ۲۴ کی وضاحت: یہودی و عیسائیوں کا خیال تھا کہ ہمارے باپ دادا انبیاء و مرسلین تھے وہ ہمیں آخرت کی سزا سے بچالیں گے۔ عیسائی کہتے ہیں کہ حضرت عیسٰیؑ نے سولی پر چڑھ کر ہمارے تمام گناہوں کا کفّارہ دے دیا۔ اور ہمیں ہر قسم کے خدائی عذاب سے چھُٹکارا دلادیا۔ یہ ساری باتیں جزاء و سزا کی حقیقت اور اہمیّت کو کم کرنے والی ہیں۔ (تفسیر صافی)

حقیقت یہ ہے کہ خدا کا قانونِ مکافات اٹل قانون ہے۔ شفاعت صرف ایسے لوگوں کے لیے ہے جن کے عمل میں کچھ کمی ہو۔ جس طرح امتحانات میں کچھ Grace marks مل جاتے ہیں۔ یا کچھ رعایتیں خاص موقعوں پر دی جاتی ہیں۔ اسطرح تھوڑی سی کمی کو پورا کردیا جاتا ہے۔ اب جو مسلمان بھی اِس طرح کے عقیدے رکھتا ہے، اُن پر بھی یہ آیت پوری اُترتی ہے۔ (فصل الخطاب)

www.drhasanrizvi.org

فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ (۲۵) لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۙ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ (۲۵)

پھر کیا حالت ہو گی اُن کی اُس دن جب ہم اُن کو اکٹھا کریں گے اور جس دِن کے آنے میں تو کوئی شک ہے ہی نہیں اور (اُس دن) ہر شخص کو اُس کے کیے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اور اُن کے ساتھ ذرا بھی ظلم یا حق تلفی نہ کی جائے گی ـــــــ (۲۵)

آیت ۲۵ کی تشریح:

مطلب یہ ہے کہ اِس قسم کے جھوٹے بے حقیقت عقیدوں سے اپنا ہی دل بہلالو، مگر جب ہم قیامت میں سب کو جمع کریں گے، تو اِس قسم کے فریب اور احمقانہ عقیدے کچھ کام نہ آئیں گے۔

(جلالین ۔ فصل الخطاب ، مجمع البیان)

اس آیت سے بظاہر شفاعت کا عقیدہ اُلجھا ہوا دکھائی دیتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ "شفع" اُس پتھر کو کہتے ہیں جو ترازو کے دو پلّے اگر برابر نہ ہوں تو ہلکے پلّے میں باندھ دیا جاتا ہے اور اِس طرح ہلکے پلّے کی تھوڑی سی کمی کو پورا کر دیا جاتا ہے۔ اِس لیے شفاعت عمل کرنے والوں کے عمل میں تھوڑی سی کمی کو پورا کرے گی۔ بے عملوں کو اس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

(آغا مہدی پویا)

www.drhasanrizvi.org

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ؗ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِیَدِكَ الْخَیْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ (٢٦)

(٢٦) آپ کہیے۔ اے سارے ملکوں کے حقیقی مالک ! تُو جسے چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے حکومت چھین لے۔ تُو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کر دے۔ ہر طرح کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ بیشک تُو ہر چیز پر قادر ہے۔ (٢٦)

<u>آیت ٢٦ کی وضاحت</u> : اِس آیت میں خدا نے حکومت دینے اور چھین لینے کو اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا ہے۔ مگر اِس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ خدا جسے سلطنت دے وہ حق پر بھی ہے جیسے خدا اگر کسی کو مال، اولاد یا حُسن دے تو یہ اِس بات کا ثبوت نہیں کہ وہ جنّتی ہے۔ کیونکہ خدا مال، اولاد، حُسن، حکومت سب کچھ امتحاناً دیتا ہے۔ خدا نے فرعون و ہامان کو بھی حکومت دی، قارون کو دولت دی۔ آج بھی کفّار کے پاس مال، اولاد، حکومت، سلطنت، حُسن سب کچھ وافر موجود ہے، تو یہ اِس بات کا ثبوت نہیں کہ خدا اُن سے راضی ہے۔ اِس کے برعکس خدا فرماتا ہے۔ " تمھیں اِن کا مال اور اولاد حیرت میں نہ ڈال دیں۔ کیونکہ خدا یہ چاہتا ہے کہ مال اور اولاد کی وجہ سے اِن کو دُنیا ہی کی زندگی میں عذاب میں مبتلا کرے۔" (پ ، سورۂ توبہ ع)

٢ خدا کا فرمانا کہ " خیر اور بھلائی خدا ہی کے ہاتھ میں ہے" سے محققین نے نتیجہ نکالا کہ:

(باقی صفحہ ٢٦٩ پر ملاحظہ فرمائیں)

عزت خدا دیتی ہے - عزت جسے خدا دیتا ہے - حکومت دنیا ہے - مگر حکومت ملنا حق پر ہونے کا ثبوت نہیں

www.drhasanrizvi.org

تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۚ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ۚ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ (۲۷)

تُو رات کو (بڑھا کر) دن میں داخل کر دیتا ہے اور دن کو (بڑھا کر) رات میں داخل کر دیتا ہے[1]۔ جاندار میں سے بے جان کو نکالتا ہے اور بے جان میں سے جاندار کو۔ اور جسے چاہتا ہے بے حساب بے شمار روزی دیتا ہے ـــــ (۲۷)

(بقیہ از صفحہ ۲۶۸ آیت ۲۶) : (۱) خدا خیر ہی خیر ہے، شر بندے کے غلط استعمال سے پیدا ہوتا ہے۔ خیر مثبت حقیقت ہے اور شر منفی چیز ہے۔ (۲) عرفاء نے نتیجہ نکالا کہ جس میں بندے کے ارادے اور اختیار کو دخل نہ ہو، وہ محض خیر ہے۔ اُسے ناگوار نہ جانے اور اپنے حق میں مصیبت نہ سمجھے۔ (۳) خدا کا بار بار یہ کہنا کہ "جسے چاہتا ہے" بتاتا ہے کہ دولت و حکومت وغیرہ کی تقسیم صرف مصلحتِ تکوینی کی بنا پر ہوتی ہے۔ اُس کا کوئی تعلق قربِ خدا، رضائے خدا یا فضیلت سے نہیں ہوتا۔

آیت ۲۷ کی وضاحت : [1] دن کا رات میں، اور رات کا دن میں داخل کرنے کے معنیٰ یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ سردیوں کے دن چھوٹے ہو جاتے ہیں اور راتیں بڑی۔ اور گرمیوں میں دن بڑے ہو جاتے ہیں اور راتیں چھوٹی۔ (تفسیر صافی)

دوسرے معنی محاورے کے اعتبار سے حالات کا بدلنا بھی ہو سکتا ہے۔ جیسے اُردو

(باقی صفحہ ۲۷۰ پر ملاحظہ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

(بقیہ از صفحہ ۲۲۹) ... زبان کا محاورہ ہے کہ "کبھی کے دن بڑے اور کبھی کی راتیں (فضل الخطاب) جاندار کو بے جان سے نکالنے کی مثال، انڈے سے بچہ نکالنا ہے وغیرہ وغیرہ۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ "اس سے مراد کافر کی اولاد سے مومن کا نکلنا اور کبھی مومن کی اولاد سے کافر کا نکلنا بھی ہے۔" (مجمع البیان)

اللہ کی طرف سے سلطنت دیے جانے کے دو معنی ہیں (۱) کسی کو اہل جانتے ہوئے اپنی جانب سے حکومت کرنے کا حق عطا فرمانا۔ یہ حق انبیاء و مرسلین، ائمہ طاہرین اور اولیاء خدا کو دیا جاتا ہے جس طرح کہ خدا نے طالوت کو یہ حق دیا۔ جس پر قوم والوں نے کہا۔ "اسے ہم پر سلطنت کا حق کہاں سے مل گیا، حالانکہ ہم اس سے کہیں زیادہ سلطنت کے حقدار ہیں (کیونکہ) اسے مال میں وسعت تو ملی ہی نہیں۔" (بقرۃ آیت ۲۴۷)

جس پر خدا نے ارشاد فرمایا "حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے اُسے تم پر برگزیدہ فرمایا ہے (کیونکہ) اسے علم اور جسمانی طاقت میں زیادتی دی ہے۔ اور اللہ اپنی طرف کی سلطنت جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔" (بقرۃ: آیت ۲۴۸)

پانے والا سلطنت

اس قسم کی سلطنت کی لازمی شرط یہ ہے کہ سلطنت کا حقدار اور اہل ہو۔ مگر قرآن کی رُو سے ایسے لوگوں کو اکثر لوگ نہیں مانتے۔ اس لیے اس قسم کی عطا کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ قوم اُس کو مان بھی لے۔ جس طرح طالوت کی قوم نے با دلِ ناخواستہ مانا اور پھر اطاعت بھی نہ کی۔

دوسری قسم کی عطائے سلطنت یہ ہے کہ عالم اسباب کے نظام کے تحت کسی تدبیر، مکاری،

www.drhasanrizvi.org

(بقیہ از صفحہ ۲۷۰ آیت ۲۵۶) - - - قہر و غلبہ یا جمہوریت کی راہ سے حکومت حاصل کرے تو ایسی حکومت ملتی تو اسی لیے ہے کہ خدا نے عمل کا اختیار دے رکھا ہے اور وہ کسی کو کسی کام پر مجبور نہیں کرتا۔ لیکن ایسی حکومت ملنا حقانیت کا ثبوت نہیں ہوتا۔ کیونکہ قرآن میں ہے کہ ایسی حکومت فرعون کو بھی ملی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا "اے رب! تو نے فرعون اور اس کے ارکان کو اپنی طرف سے دنیا کی زینت کا سامان اور بڑے بڑے اموال عطا کیے ہیں"۔ (سورۂ یونس۔ ۸۸)

اسی طرح نمرود کے لیے ہے۔ "کیا تم نے نہیں دیکھا اُسے جس نے ابراہیمؑ سے اُن کے پروردگار کے بارے میں بحث و تکرار کی صرف اس بنا پر کہ اللہ نے اُسے سلطنت دے رکھی تھی۔" (سورۂ بقرۃ آیت ۲۵۸)

ایسے تمام لوگوں کو خدا کا سلطنت دینے کے معنی بس یہ ہیں کہ حصولِ اقتدار میں خدا نے رکاوٹ پیدا نہیں کی۔

ایسے تمام لوگوں کو خدا کی طرف سے عزّت یا دنیوی اسباب دیے جانے کے بھی یہی معنی ہیں۔ جبکہ حقیقی عزّت دنیا کے اسباب جمع کر لینے پر نہیں ملتی، بلکہ صفاتِ حسنہ پر ملتی ہے۔ ارشاد فرمایا: "عزّت تو بس اللہ کے لیے ہے۔ اُس کے رسولؐ کے لیے ہے، اور صاحبانِ ایمان کے لیے ہے" لیکن منافق سمجھتے ہی نہیں ہیں۔"

(سورۂ منافقون۔ آیت ۸)

www.drhasanrizvi.org

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ (۲۸)
اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ
وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ
اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا
مِنْهُمْ تُقٰىةً ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ
اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝

مومنوں کو چاہیے کہ وہ مومنوں کے ہوتے ہوئے کافروں کو اپنا دوست یا سرپرست نہ بنائیں[۱]۔ جو ایسا کرے گا اُس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں۔ سوا اس کے کہ تم (ان کے ظلم سے) بچاؤ (یعنی تقیہ[۲]) کے لیے بظاہر ایسا طرزِ عمل اختیار کرو (تو اس میں کوئی حرج نہیں) اللہ تم کو اپنے (عذاب) سے ڈراتا ہے۔ اور تمھیں اُسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔ ———— (۲۸)

آیت ۲۸ کی وضاحت : [۱] محققین نے نتیجہ نکالا کہ خدا کے دشمنوں کے ساتھ دوستی رکھنے والے کی دوستی اللہ کے نزدیک کسی درجے میں معتبر نہیں ہوتی (بیضاوی۔ معالم) یہی تبرّے کی حقیقت ہے۔

[۲] امیرالمومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے فرمایا: "خدا تمھیں اپنے دین کے بارے میں تقیہ کرنے کا حکم دیتا ہے۔ لہٰذا خبردار خبردار! کبھی ایسا نہ کرنا کہ تقیہ کرنا چھوڑ دو اور اپنے کو ہلاکت میں ڈال دو۔ کیونکہ تقیہ کا چھوڑنا تمھارے اور تمھارے بھائیوں کا خون بہانے والا اور نعمتوں کو زائل کر دینے والا ہے اور دشمنانِ خدا کے ہاتھوں ذلت پہنچانے والا ہے۔"

(تفسیر صافی ص۸۱ بحوالہ احتجاج طبرسی)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا صلعم نے ارشاد

(باقی صفحہ ۲۷۳ پر ملاحظہ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

(بقیہ از صفحہ ۲۷۲ آیت ۲) ۔۔ فرمایا: "جو شخص تقیہ کا منکر ہے وہ ایماندار نہیں"۔ پھر اِس آیت کی تلاوت فرمائی۔ (تفسیر عیاشی)

جب نا اہل ظالم حکمراں ہوں اور کفر و نفاق کا مادّی غلبہ ہو، تو جان، عزّت اور دین بچانے کا صرف ایک ہی منطقی طریقہ باقی رہ جاتا ہے کہ انسان اپنے حقیقی نظریات کو چھپا کر بظاہر لوگوں کے ساتھ مل کر زندگی گذارے۔ اِس لیے کہ ایسے حالات میں اعلانِ حق کرنے سے صرف اُس کی جان، مال، عزّت و آبرو کا ضیاع ہوگا اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔

اعتراض رہا یہ سوال کہ تقیہ کرنے اور منافقت میں کیا فرق ہے؟

تو دونوں متضاد چیزیں ہیں۔ منافق کی زبان پر ایمان ہوتا ہے اور دل میں کفر ہوتا ہے۔ جبکہ تقیہ کرنے والے کے دل میں ایمان ہوتا ہے اور زبان پر کلمۂ کفر ہوتا ہے۔

تفسیرِ جلالین نے لکھا کہ:

"تقیہ کا مصدر تُقاۃ" ہے۔ یعنی جب تم کسی سے ڈرتے ہو تو تمہارے لیے زبان سے اُن کے ساتھ اتحاد کا اظہار جائز ہے، نہ کہ دل کے ساتھ۔ یہ اسلام کے طاقتور ہونے سے پہلے کی بات بھی ہے اور اب بھی جس شہر میں اسلام طاقتور نہ ہو، وہاں یہ حکم جاری ہے۔ (جلالین)

مطلب یہ ہے کہ اُن کے شر کو اِس طرح دفع کیا جائے۔ (شاہ ولی اللہ)

حسنِ بصری سے روایت ہے کہ "تقیہ روزِ قیامت تک جائز ہے اور اکابر علماء کے نزدیک اِسی کو ترجیح دی گئی ہے۔" (نیشا پوری)

آخر میں اللہ کا یہ فرمانا کہ "اللہ تمھیں اپنے سے ڈراتا ہے" یہ احساس پیدا کرنے کے

(باقی صفحہ ۲۷۴ پر ملاحظہ فرمائیں)

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِیْ (۲۹) صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَ يَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ (۲۹)

آپؐ کہدیجیے کہ جو کچھ بھی تمھارے سینوں میں ہے تم چاہے اُسے خدا سے چھپاؤ یا ظاہر کرو، خدا اُس کو جانتا ہے۔ (اِس لیے کہ) وہ تو آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر پوری پوری قدرت بھی رکھتا ہے۔ (۲۹)

(بقیہ از صفحہ ۲۷۳ آیت ۲۸) . . . لیے ہے کہ تقیہ سمجھ بوجھ کر کرو۔ اِس کا بے محل استعمال نہ کرو۔ ورنہ اللہ کے غضب کے مستحق بن جاؤ گے۔ (ہلالی)

اہلِ سُنّت کے علماء نے بھی اس مقام پر تقیہ کی وضاحت فرمائی ہے: "پس رفع ضرر کے لیے بہ قدرِ ضرورت ظاہری تعلقاتِ دوستانہ کی اجازت ہے۔ (ماجدی)

تقیہ جائز نہیں مگر خوفِ قتل کی حالت میں یا بہت ایذا پہنچنے کی حالت میں۔ (قرطبی)

تقیہ کا جواز جب اِس بات کا خوف ہو کہ جان چلی جائے گی یا اعضاء کاٹ دیے جائیں گے اور یہی جمہور کا عقیدہ ہے اور یہی آیت کے الفاظ کا تقاضا ہے۔ (جصاص)

معرفتِ خداوندی - خدا دلوں کے رازوں کو جانتا ہے

www.drhasanrizvi.org

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا (۳۰) وہ دن آنے والا ہے جب ہر شخص اپنے
عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَ ہر اچھے عمل کو سامنے لایا ہوا پائے گا۔
مَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اور اسی طرح اپنے ہر بُرے عمل کو بھی۔[1]
اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًۢا اُس روز ہر آدمی یہ تمنا کرے گا کہ کاش
بَعِيْدًا ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ ابھی یہ دن اُس سے بہت دُور ہوتا
نَفْسَهٗ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ (۳۰) (اسی لیے) اللہ تم کو اپنے آپ سے ڈراتا
ہے[2]۔ کیونکہ اللہ اپنے بندوں پر بہت ہی مہربان ہے (تاکہ ہلاکتِ ابدی سے بچ جائیں)

آیت نمبر ۳۰ کی وضاحت : محققین نے لکھا کہ آخر میں خدا کا خود سے خوف دلانا بھی خدا کی مہربانی ہے، اِس لیے کہ اِس خوف کے بغیر انسان اپنے کو تباہی سے نہیں بچا سکتا۔ (صافی)

[1] مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ کے سامنے اپنے عمل نامے کو لکھا ہوا سامنے پائے گا۔ یا اُن اعمال کی جزاء کو سامنے پائے گا۔ (روح: قرطبی، بیضاوی)

عارفین نے لکھا کہ اِس کا مطلب یہ بھی ہے کہ انسان اپنے کو وہی عمل کرتے ہوئے پائے گا۔ اکبر الٰہ آبادی نے کہا کہ "یہ جو ہم ہر وقت کہتے رہتے ہیں کہ "وقت چلا گیا" تو وقت جاتا کہاں ہے؟ اللہ کے ہاں چلا جاتا ہے اور وہیں جمع ہوتا رہتا ہے۔ قیامت کے دن خدا وقت کو واپسی کا حکم دے گا۔ اب جب وقت واپس آئے گا تو جو کچھ بھی وقت کے اندر ہوتا رہا ہے اُس سب کو لیے ہوئے آئے گا۔" (ماجدی)

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (۳۱)

(اے رسولؐ!) آپؐ لوگوں سے کہدیں کہ اگر تم اللہ سے (سچی) محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو تو اللہ بھی تم سے محبت کرنے لگے گا۔ اور تمھارے گناہ معاف کردے گا۔ اللہ تو بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے۔ (۳۱)

سارے کا سارا دین رسولؐ کی پیروی کرنا ہے

آیت ۳۱ کی وضاحت: حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا: "اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمھیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔ (یوحنا ۱۴-۱۶) بعض انجیلوں میں مددگار کے بجائے وکیل یا شفیع ترجمہ کیا گیا ہے اور انگریزی میں Comforter لکھا ہے جس کے معنی تسلی دینے والا کے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "مجھے اُمید ہے کہ اِس اُمّت میں سے جو بھی ہمارے حق کا عارف ہوگا۔ وہ ناجی ہوگا سوائے حاکمِ ظالم کا ساتھی، خواہش پرست، علانیہ فسق کرنے والے کے۔

نیز آپؑ نے فرمایا کہ "اُس شخص کی اللہ سے محبت نہیں جو اُس کی نافرمانی کرے"، پھر یہ اشعار پڑھے

تَعْصِي الْاِلٰهَ وَاَنْتَ تُظْهِرُ حُبَّهٗ ۔۔۔ هٰذَا مُحَالٌ فِي الْفِعَالِ بَدِيْعٌ

تو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے اور پھر اُس سے محبت کا دعویٰ بھی کرتا ہے۔ یہ بات تو قطعاً محال ہے

لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَاَطَعْتَهٗ ۔۔۔ اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُحِبُّ مُطِيْعٌ

اگر تجھے سچی محبت ہوتی تو اُس کی اطاعت ضرور کرتا۔ کیونکہ مُحب اپنے محبوب کا مطیع ہوا کرتا ہے۔

* ۔ اگر کوئی پتھر بھی ہماری محبت رکھتا ہوگا تو خدا اُس کو بھی ہمارے ساتھ محشور کریگا کیونکہ دین تو محبت ہی کا نام ہے۔ ✲

✲۔ امام محمد باقرؑ (بحوالہ حاشیہ قرآن حکیم مولانا فرمان علیؒ و تفسیر انوار النجف)

www.drhasanrizvi.org

(بقیہ از صفحہ ۲۷۶) محققین نے لکھا کہ اس آیت سے رسولِ خداؐ کی عصمت ثابت ہے کہ خدا اُن کے مطلق بلا شرط اتباع کا حکم دے رہا ہے۔ اگر اُن سے کسی قسم کی ذرا سی بھول چُوک کا بھی امکان ہوتا تو خدا غیر مشروط اور مطلق اتباع کا حکم نہ دیتا۔ پھر یہ کہتا کہ اچھے کاموں میں پیروی کرو اور غلط کاموں میں یا بھول چُوک میں پیروی نہ کرو۔ اِسی کو عصمت کہتے ہیں۔ (القرآن المبین)

محبت کے جذبے کی معراج یہ ہے کہ اُس جذبے کا مرکز خدا کی ذات ہوجائے۔ یہ نتیجہ ہے خدا کو پہچاننے اور اُس کی عظمت اور نعمتوں کو جاننے کا۔ خدا کی محبت کا منطقی لازمی عملی نتیجہ اور معیار یہ ہے کہ انسان ۱ خدا کی پسندیدہ چیزوں کو پسند کرے ۲ ناپسندیدہ چیزوں کو ناپسند کرے ۳ اُس کے احکامات پر عمل کرے اور ۴ جن چیزوں سے خدا نے روکا ہے، اُن سے رُکے اور یہ تمام باتیں صرف رسولِ خداؐ کی پیروی سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ اِسی لیے ڈاکٹر اقبالؒ نے کہا: ؎

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اُوست

اگر باُو نرسیدی تمام بولہبی است

یعنی خود کو مصطفیٰ (کی پیروی) تک پہنچا دے کیونکہ کُل دین تو وہی ہیں۔ اگر تو اُن تک نہ پہنچے گا تو سب بولہبی یعنی کُفر ہی کُفر ہے۔

مولانا فرمان علی صاحب (اعلی اللہ مقامہٗ) نے خوب لکھا "خدا نے اپنی محبت کی کسوٹی رسولؐ کی پیروی کو قرار دیا۔ اِس لیے خدا و رسولؐ کی محبت کا دعوٰی کرنا کسی طرح بھی

(باقی صفحہ ۲۷۸ پر ملاحظہ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

(بقیہ از صفحہ ۲۷۷) ..... کافی نہیں جب تک کہ اپنی کارگذاریوں سے ثابت نہ کرے کہ وہ رسولؐ کا سچا پیرو ہے۔ اسطرح شیعۂ رسولؐ اور علیؑ ہونے کا دعویٰ اُسی وقت زیبا ہے جب اپنے افعال، اعمال، رفتار، گفتار سے یہ کر دکھائے کہ جو رسولؐ اور علیؑ جس طرح کرتے تھے اُسی طرح وہ بھی کر گذرے۔ فقط نام کا شیعہؑ یا مومن ہونا کافی نہیں۔"

مُلّا محسن کاشانی نے لکھا " کافی اور تفسیر عیاشی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ " دین سوا محبّت کے اور کیا ہے؟ پھر امامؑ نے اسی آیت [۳۱]، کی تلاوت فرمائی۔" (کافی و تفسیرِ عیاشی)

میں کہتا ہوں کہ محبّت نام ہے نفس کی رغبت کا جو اُس چیز کے کمال کی وجہ سے ہو جسے اُس شخص نے محسوس کیا ہے۔ پھر اسی رغبت کا یہ تقاضا ہے کہ وہ باتیں انجام دے جو محبوب سے نزدیک ہونے کا سبب بنیں۔ خدا جب بندے سے محبّت کرتا ہے تو اُس سے خوش ہوتا ہے اور اُس کے دل سے حجابات کے پردے ہٹا دیتا ہے۔ اور انسان خدا سے اُس وقت محبّت کرتا ہے جب اپنے علم سے اس بات کو خوب جان لیتا ہے حقیقی کمال اور حقیقی حُسن خدا کے سوا کسی کے لیے نہیں ہے۔ ہر کمال اور ہر حُسن، اُس کی عطا ہے۔ بندہ جسقدر اِس بات کو جانے گا اُسی قدر خدا سے محبّت کرے گا۔ اور جسقدر محبّت کرے گا اُسی قدر خدا کی رضامندی حاصل کرنے کا خواہشمند ہوگا اور اُن چیزوں کی طرف راغب ہوگا جو خدا سے قریب کرنے والی ہیں، اِس طرح وہ خدا کی اطاعت اور عبادت کرے گا اور یہ اطاعت اور عبادت صرف رسولؐ کی پیروی سے حاصل ہوگی۔ غرض جو اللہ کا جسقدر دوست ہوگا، اُسی قدر رسُول

(باقی صفحہ ۲۷۹ پر ملاحظہ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

(بقیہ از صفحہ ۲۷۸) ۔۔۔ کی پیروی کرے گا۔ تاکہ اللہ بھی اُسے دوست رکھے۔ یہ اطاعت خدا کی معرفت کا نتیجہ ہوگی۔ اسی لیے امام محمد باقرؑ نے فرمایا: "جو خدا کی معصیت کرتا ہے اس نے خدا کو پہچانا ہی نہیں" (تحف العقول)

رسولؐ کی محبت کے معنی بھی رسولؐ کی پیروی کرنا ہے۔ اور اُن کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا ہے۔ اس کے بغیر خدا کی محبت کا دعویٰ غلط ہے۔ کیونکہ رسولؐ کی پیروی ہی خدا کی محبت کا اصل محور اور مظہر ہے۔ جسے رسولؐ کی پیروی کرنے کا کوئی حصہ نہیں ملا، اُسے خدا و رسولؐ کی محبت کا کوئی حصہ نہیں ملا۔ کیونکہ رسولؐ ہی خدا کی محبت کا مرکز ہیں۔ بندہ جسقدر رسولؐ کی پیروی کرے گا، اتنا ہی خدا اُس سے محبت بھی کرے گا اور اپنی توجہات بھی اُس کی طرف مبذول فرمائے گا۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: "جو یہ جاننا چاہے کہ اللہ اُسے دوست رکھتا ہے تو اُسے اللہ کے احکامات پر عمل کرنا چاہیے اور (اس مقصد کے حصول کے لیے) ہماری پیروی کرنا چاہیے۔" پھر امامؑ نے اسی آیت ۳۱ کی تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا: "خدا کی قسم ہماری پیروی کرنا وہی چھوڑے گا جو ہمارا دشمن ہوگا۔ اور خدا کی قسم جو ہمارا دشمن ہوگا وہی خدا کا نافرمان ہوگا اور خدا اُسے منہ کے بل جہنم میں ڈال دے گا، اور وہ اسی حال میں دنیا سے اُٹھے گا۔"

(تفسیر صافی)

غرض ثابت ہوا کہ خدا و رسولؐ اور ائمہ طاہرینؑ سے محبت کا لازمی منطقی عملی نتیجہ اطاعت اور اُنکی پیروی کرنا ہے۔ یہی اطاعت اور پیروی اُن کی محبت کا معیار اور ثبوت ہے۔ اس کے بغیر اُن کی محبت کا دعویٰ غیر مدلل اور لایعنی ہے

www.drhasanrizvi.org

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ ۚ (۳۲) (اُن سے) کہو کہ اللہ اور رسولؐ کی
فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ اطاعت کرو، پھر بھی اگر یہ مُنھ پھیریں
الْكٰفِرِيْنَ ۝ (۳۲) تو خدا بھی منکرینِ حق (کافروں اور
خدا و رسولؐ کے نافرمانوں) کو پسند
نہیں کرتا

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا (۳۳) یہ حقیقت ہے کہ اللہ نے آدمؑ، نوحؑ،
وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ آلِ ابراہیمؑ اور آلِ عمرانؑ کو تمام
عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ (۳۳) جہانوں پر ترجیحاً منتخب کیا۔

آیت ۳۲ کی وضاحت: [1] یعنی بندے کی اللہ سے محبت یہی ہے کہ شوق سے اللہ کے حکم پر دوڑے۔ (موضح القرآن)

خدا سے محبت کرنے کے معنی ہی یہ ہیں کہ اس محبت کو ثابت کرو اور ظاہر کرو اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت سے۔ (مجمع البیان)

آیت ۳۳ کی وضاحت: [2] خاندانِ عمرانؑ میں حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ بھی ہیں جو ابنِ عمران تھے اور جناب عیسیٰؑ بھی ہیں جو مریمؑ بنتِ عمرانؑ کے فرزند تھے۔ یہ دونوں عمران الگ الگ ہیں۔ وہ عمرانؑ جو حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ کے والد تھے حضرت مریمؑ کے والد سے پہلے گذرے ہیں۔ (تفسیر صافی)

(باقی تفسیر صفحہ ۲۸۱ پر ملاحظہ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

(بقیہ از صفحہ ۲۸۰ آیت ۳۳ کی وضاحت): - - - محققین نے نتیجہ نکالا کہ یہاں عمران کا لفظ بطور عَلَم Proper Noun نہیں۔ ورنہ اُس سے ایک ہی شخص مراد ہوتا، دونوں ایک ساتھ مراد نہ ہوتے۔ بلکہ عمران کا لفظ مجازی تصرّف کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔ لہٰذا اب اگر کوئی تیسرا نام عمران ہو، تو اُس کی نسل بھی آلِ عمران میں آسکتی ہے۔ روایات سے ثابت ہے کہ حضرت ابوطالبؑ کا نام بھی عمران تھا۔ اس لیے آلِ عمران سے حضرت علیؑ کی فضیلت بھی ثابت ہے۔ اور اس کے بغیر بھی آلِ محمدؐ کی فضیلت ثابت ہے۔ اِس لیے کہ آلِ محمدؐ آلِ ابراہیمؑ کی فردِ اکمل ہیں اِس لیے اصطفیٰ کا مرکز ہیں۔ آلِ ابراہیمؑ میں سب سے افضل محمدؐ و آلِ محمدؐ ہیں۔ اِسی لیے امام محمدؑ باقر علیہ السّلام نے فرمایا: "ہم آلِ ابراہیمؑ میں سے ہیں۔ اور ہم ہی ان کی نسلِ طاہر کے باقی رہنے والے افراد ہیں۔

روزِ عاشورا امام حسین علیہ السّلام نے بھی آلِ محمدؐ کی فضیلت اسی آیت سے ثابت فرمائی تھی۔ (تفسیر صافی)

حضرت امام علی رضا علیہ السّلام نے بھی مامون رشید کے پوچھنے پر آلِ محمدؐ کی فضیلت اِسی آیت سے ثابت فرمائی۔

جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ جب وہ آلِ ابراہیمؑ اور آلِ عمرانؑ کا ذکر کریں تو خوش ہوتے ہیں اور جب آلِ محمدؐ کا ذکر ہو تو اُن کے دل گھٹتے ہیں اور مجھے قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضے میں محمدؐ کی جان ہے اگر کوئی شخص بروزِ محشر ستّر نبیوں کے اعمال کے برابر بھی نیک اعمال پیش کرے گا تو اُس کے اعمال مقبول نہ ہوں گے جبتک کہ میری اور علیؑ ابنِ ابی طالبؑ کی ولا کو پیش نہ کرے گا۔
(تفسیر انوار النجف جلد ۳ صفحہ ۲۱۸)

www.drhasanrizvi.org

ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ ؕ (۳۴) جو ایک دوسرے کی اولاد تھے۔

وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۚ (۳۴) اور اللہ سب کچھ سُنتا اور جانتا ہے۔[1]

إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ (۳۵) (یاد کرو) جب عمران کی بیوی[2] نے عرض

إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي کی کہ اے میرے پالنے والے! میں نے

مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي ۚ إِنَّكَ تیرے لیے نذر مانی ہے کہ یہ بچہ جو میرے

أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (۳۵) پیٹ میں ہے اس کو دنیا کے کاموں سے

آزاد (کر کے صرف تیرے ہی کام کیلئے وقف) کرتی ہوں پس تُو میری طرف سے یہ نذر قبول فرمالے۔ تو سُننے والا ہے (دعاؤں کا اور) جاننے والا ہے (نیتوں کا) (۳۵)

آیت ۳۴ کی وضاحت: [1] آخر میں خدا کا یہ فرمانا کہ "اللہ سُننے والا ہے اور سب کچھ جاننے والا ہے" اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اِن لوگوں کا انتخاب بلاوجہ یا اندھا دھند نہیں کیا گیا ہے، بلکہ اِن افراد کے علم و عمل کی بناء پر کیا گیا ہے جس سے خدا خوب واقف ہے۔

اگر یہ انتخاب بلاوجہ ہوتا تو خدا اپنی قدرت کا حوالہ دیتا اپنے علم کا حوالہ نہ دیتا۔ (تفسیر صافی)

آیت ۳۵ کی وضاحت: [2] عمران کی بیوی سے مراد حضرت مریمؑ کی والدہ ہیں جو حضرت عیسٰیؑ کی جدّہ محترمہ تھیں۔ اُن کا نام حَنّہ تھا۔ یہ عبرانی نام ہے۔ (مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۵۹۲) ان کی قبر دمشق میں ہے (ر)

حضرت مریمؑ کی ولادت سے پہلے اُن کی والدہ کی نذر کی بابت جو بہت سی تفصیلات قدیم ترین مسیحی نوشتوں میں درج ہیں اُن کو "بزرگانِ کلیسا" نے کاٹ دیا اور مستند اناجیلِ اربعہ میں اُن کو درج نہیں کیا۔

(کیتھولک ڈکشنری ص ۴۸ ۔ ڈکشنری آف دی بائیبل جلد ۳ ص ۲۸۸)

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ (۳۶)	پھر جب اُس کے ہاں بچی پیدا ہوئی
اِنِّیْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰی ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ	تو اُس نے کہا: اے میرے مالک! میرے
بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَیْسَ الذَّكَرُ	ہاں تو لڑکی پیدا ہوگئی ہے۔ اور اللہ تو
كَالْاُنْثٰی ۚ وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ	خوب جانتا تھا کہ اُس کے ہاں کیا پیدا
وَاِنِّیْٓ اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا	ہوا ہے[1] اور لڑکا لڑکی جیسا نہیں ہوتا۔
مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ (۳۵)	اور میں نے تو اُس کا نام مریم[2] رکھا ہے۔

اور میں اُسے اور اُس کی اولاد کو شیطانِ مردود (کے شر) سے بچائے رکھنے کے لیے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ (یہی دُعا حضورؐ نے حضرت فاطمہؑ اور اُنکی اولاد کیلئے فرمائی تھی "صواعقِ محرقہ")

آیت ۳۶ کی وضاحت: محققین نے نتیجہ نکالا کہ بیٹی کی اولاد بھی نسل میں شامل ہے۔ کیونکہ خدا نے حضرت عیسیٰؑ کو آلِ عمران فرمایا جبکہ وہ عمران کے نواسے تھے۔ اسی طرح حضرت محمد مصطفیٰؐ کی اولاد اُن کی بیٹی حضرت فاطمہؑ سے چلی اور آلِ محمدؐ کہلائی۔ (تفسیرِ صافی ص۸۲)

حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: "جناب مریمؑ نہایت خوبصورت تھیں۔ جب آپ نماز کے لیے محرابِ عبادت میں کھڑی ہوتیں تو آپ کے چہرے سے نور چھن چھن کر تمام محراب کو نورانی کر دیتا تھا۔" (تفسیرِ عیاشی)

[1] خدا کا یہ فرمانا کہ "اللہ خوب جانتا تھا کہ اُس نے کیا جنا ہے" کا مطلب یہ ہے کہ اس لڑکی کی عظمت سے خدا خوب واقف تھا۔ ماں غریب کیا سمجھ سکتی تھی۔ (قرطبی۔ روح)

[2] یہودیوں کی لغت میں مریم کے معنی عابدہ ہیں۔

www.drhasanrizvi.org

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّ (۳۷)
اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّ كَفَّلَهَا
زَكَرِيَّا ؕ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا
زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا
رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ
هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ
اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ
بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ (۳۷)

تو اُن کے پالنے والے نے اُس لڑکی کو بڑی خوشی سے قبول فرمالیا۔ اور اُس کی نشو و نُما بہت اچھی طرح کی۔ اور زکریّا کو اُس کا کفیل (سرپرست) بنا دیا۔ جب کبھی بھی زکریّا اُس کے پاس محراب میں جاتے تو اُس کے پاس کچھ نہ کچھ کھانے پینے کا سامان پاتے۔ تو پوچھتے: "اے مریم! یہ تیرے پاس کہاں سے آیا؟" وہ جواب دیتیں کہ یہ اللہ کے پاس سے آیا ہے۔ بیشک اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔ ——— (۳۷)

آیت ۳۷ کی وضاحت: والدۂ مریمؑ حضرت حنّہ کی نذر اُن کی لڑکی کی شکل میں قبول ہوئی جو ہیکل کی خدمت کی تاریخ میں ایک عجیب بات تھی۔ بعض جدّت پسندوں نے یہاں رزق سے مراد فیضِ علم و حکمت لیا ہے، مگر محققین کے نزدیک یہ تفسیر کی حدود سے تجاوز ہے۔ (بحر)

البتہ رزق پر دو پیش۔ اُن میووں کی عظمت ظاہر کرتے کیلئے ہیں۔ یعنی وہ میوے نادر تھے (تفسیر کبیر)

محراب ایسے حجرے کو کہتے ہیں جہاں سب سے الگ تھلگ ہو کر عبادت کی جائے۔ محرابِ مسجد کو اسی لیے محراب کہتے ہیں کہ امام نماز میں اُس میں سب سے الگ کھڑا ہوتا ہے۔ (قاموس)

(باقی صفحہ ۲۸۵ پر ملاحظہ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

بقیہ از صفحہ ۲۸۴ آیت ۳۷ : .... غرض، والدۂ مریمؑ کی نذر کو خدا نے لڑکی کی شکل میں بھی قبول کر لیا جو ایک نئی بات تھی۔ (ڈکشنری آف دی بائیبل جلد ۳ صـ ۲۸۸)

یہ اچھا نشو و نما قوائے جسمانی کے اعتبار سے بھی تھا اور قوائے روحانی کے اعتبار سے بھی (قرطبی۔ روح) (بیضاوی)

حضرت زکریاؑ جب بھی حضرت مریمؑ کی محرابِ عبادت میں جاتے تھے تو اُن کے پاس پھل رکھے ہوتے ملتے۔ اور وہ بھی بے فصل کے۔ یعنی گرمیوں میں سردیوں کے پھل ہوتے تھے اور سردیوں میں گرمیوں والے پھل۔ (جلالین)

اور ہونا بھی یہی چاہیے تھا، اِس لیے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو بدنیّت لوگوں کو شُبہ ہوتا کہ کوئی آدمی دے گیا ہوگا۔ اب کیونکہ وہ بے فصل کے تھے تو آیت سمجھ میں آگئی کہ "وہ پھل اللہ کی طرف کے ہیں۔"

اکثر مفسّرین نے بے حساب کو مقدار اور پیمانے والے حساب کے معنی میں لیا ہے یعنی خدا کی عطا عام اندازوں سے کہیں زیادہ ہے۔ خدا کو اپنے خزانوں میں کمی کا کوئی خوف نہیں۔ (بلاغی)

فضیلت (۱) حضرت مریمؑ کے والد ماجد جناب عمران کی وفات حضرت مریمؑ کے بچپنے ہی میں ہوگئی۔ اُن کی وفات کے بعد ہیکلِ سلیمانی کے خادموں کی سرداری حضرت زکریاؑ کو ملی۔ اُنھیں کو خدا نے حضرت مریمؑ کی تربیت کا واسطہ اور ذریعہ بنایا۔ انتظامات سب خدائی تھے۔ لیکن ذریعہ بننے کی وجہ سے حضرت زکریاؑ کو فضیلت حاصل ہوئی۔ محققین نے لکھا کہ حضرت ابوطالبؑ کو خدا نے رسولِ خداؐ کی تربیت کا ذریعہ بنا کر بڑی فضیلت عطا فرمائی تھی۔

(۲) حضرت مریمؑ نبی نہ تھیں مگر اُن پر وحی کا آنا بتاتا ہے کہ غیر انبیاؑ پر وحی آسکتی ہے اور یہ اولیاؑ کی کرامت پر دلیل ہے۔ (روح۔ بیضاوی)

www.drhasanrizvi.org

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۚ (۳۸) قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ۝ (۳۸)

وہیں[1] (یہ دیکھ کر بے اولاد) زکریاؑ نے اپنے ربّ کو پکارا: "اے میرے پالنے والے! مجھے اپنی بارگاہ سے نیک اولاد عطا فرما۔ بیشک تو دعا کا سننے والا ہے۔

حضرت زکریاؑ کی اولاد کے لئے دعا

آیت ۳۸ کی وضاحت: حضرت مریمؑ کے پاس بے فصل کے میوے دیکھ کر حضرت زکریاؑ کو خیال آیا خالق جو بے فصل کے میوے دے سکتا ہے، وہ بڑھاپے میں اولاد بھی دے سکتا ہے۔ یہ بات خدا کی قدرت سے دور نہیں۔ (جلالین) (بس اُسی وقت اُنھوں نے پاکیزہ اولاد کیلئے دعا کی جو قبول ہوئی)

زکریاؑ جو ساری عمر اولاد سے نا اُمید تھے، اب اُمیدوار ہوئے کہ شاید وہ (بے موسم کی اولاد) مجھے بھی ملے۔ (موضح القرآن)

[1] محققین نے آیت کے پہلے لفظ هُنَالِكَ یعنی "بس وہیں حضرت زکریاؑ اپنے پالنے والے مالک سے دعا کرنے لگے" اِن الفاظ سے ثابت کیا ہے کہ دُعا کی قبولیت میں جگہ کو بھی دخل ہوتا ہے حضرت امام حسن عسکری ؑ نے فرمایا ہے: "بعض مقامات ایسے ہوتے ہیں کہ جہاں خدا پسند کرتا ہے کہ دُعا کی جائے۔ امام حسین ؑ کی قبر بھی اُنھیں مقامات میں سے ایک ہے۔" (تحف العقول)

جب حضرت زکریاؑ نے یہ مشاہدہ فرمایا کہ حضرت مریمؑ کے پاس بغیر فصل کے پھل آتے ہیں تو آپ سمجھ گئے کہ یہ مقام خرقِ عادت کے صدور کا ہے۔ اِس لیے وہیں دُعا کرنے لگے کہ میری ضعیفی میں اولاد عطا فرما۔ (بحر)

حضرت زکریاؑ کی دعا کا قبول ہونا اور حضرت یحییٰؑ کی فضیلت

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ (۳۹)

فرشتوں نے فوراً آواز دی جبکہ ابھی وہ محراب ہی میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے کہ "بیشک اللہ تجھے یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے جو کلمۃ اللہ (حضرت عیسٰی) کی تصدیق کرے گا۔ اور لوگوں کا سردار ہوگا۔ بڑا ضبطِ نفس[۱] والا ہوگا، اور نبی ہوگا اور صالحین میں شمار کیا جائے گا۔ —— (۳۹)

آیت ۳۹ کی وضاحت: حضرت زکریاؑ کی بیوی کا نام الیشاع تھا جو حضرت عمران بن ماثان کی بیٹی اور حنّہ کی بہن تھیں۔ حضرت زکریاؑ کی خواہش تھی کہ اُن کے ہاں بچّہ ہو جو شرف و کرامت میں حضرت مریمؑ جیسا ہو۔ (تفسیرِ صافی ص۸۳)

[۱] "حَصُوْرًا" کے معنی ایسا انسان جسے اپنی خواہشوں پر قابو حاصل ہو اور نہایت درجہ محتاط اور متقی ہو۔

نتیجہ محققین نے نتیجہ نکالا کہ خدا کے برگزیدہ بندے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن کی بزرگی اُن کے بچپنے ہی میں ظاہر ہو جاتی ہے۔ ائمۂ اہلِ بیتؑ میں حضرت امام محمد تقیؑ نے نو سال کی عمر میں ایسے علوم ظاہر فرمائے کہ مامون رشید اور اُس کے متعلقہ تمام علماء نے اُن کے علمی کمالات کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ حضرت عیسٰیؑ نے گہوارے میں اپنی نبوت کا اعلان فرمایا۔

www.drhasanrizvi.org

www.drhasanrizvi.org

خدا کی قدرت کے عجائبات

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِىَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِىْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ○ (۴۰)	(۴۰) (زکریّا نے) کہا: میرے پروردگار! بھلا میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا؟ حالانکہ میں تو بہت ہی بوڑھا ہو چکا ہوں، اور میری بیوی تو بانجھ ہے۔ جواب ملا ایسا ہی ہوگا۔ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔
قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّىْٓ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِىِّ وَالْاِبْكَارِ ○ ع	(۴۱) (زکریّا نے) عرض کی: میرے مالک! تو پھر میرے لیے کوئی نشانی مقرر فرما دے فرمایا: نشانی یہ ہے کہ تم تین دن تک لوگوں سے اشارے کے سوا کوئی بات چیت نہ کر سکو گے، مگر اپنے رب کو بہت یاد کرنا۔ اور صبح وشام اُس کی تسبیح (بھی) کرتے رہنا۔ —— (۴۱)

آیت نمبر ۴۰ کی وضاحت: ؎ یہ سوال مضطرب دل کو سکون دینے کی کوشش ہے۔ ممکن ہے کہ یہ سمجھنا مقصود ہو کہ کیا اس بڑھاپے کے عالم میں اولاد ہو جائے گی یا ہم دونوں پھر سے جوان کر دیے جائیں گے (مجمع البیان)

آیت نمبر ۴۱ ؎ عشا، میں زوالِ آفتاب سے لے کر رات کے اندھیرے تک کا سارا وقت آ گیا۔ اور "ابکار" میں طلوعِ فجر سے دن چڑھے تک کا وقت اس میں شامل ہے اور محاورے میں دوامِ ذکر بھی مراد ہو سکتا ہے۔ (کشاف)

www.drhasanrizvi.org

وَ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ○ (۴۲)

پھر جب فرشتوں نے (مریمؑ سے) کہا: اے مریمؑ! اللہ نے تجھے چُنا اور پاکیزگی عطا کی، اور ساری دُنیا جہان کی عورتوں پر تجھے ترجیح دے کر (اپنی خدمت کیلیئے) چُن لیا۔

آیت ۴۲ کی وضاحت : محقّقین نے اِس آیت سے نتیجہ نکالا کہ[1] ملائکہ غیرِ انبیاءؑ سے بھی کلام کرتے ہیں۔[2] اور حضرت مریمؑ کے لیے پاکیزگی اور طہارت کا اعلان ' کے معنی عصمت ' طہارت ' تمام گناہوں سے پاک صاف ہونا ہے۔ اور اِس کا حاصل یہ ہے کہ آپؑ کو اخلاقی پاکیزگی کا ایک نمونۂ کامل بنا دیا۔ (روح ' تفسیر کبیر ۔ بحر)

یہاں عالمین کی عورتوں سے مراد حضرت مریمؑ کے زمانے کی عورتیں مراد ہیں۔

حضرت فاطمہؑ تمام جہانوں کی عورتوں کی سردار ہیں۔ (علل الشرائع)

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا:

" فاطمہؑ فرشتوں سے باتیں کرتی ہیں اور فرشتے اُن سے باتیں کرتے ہیں۔ مریمؑ بنت عمران کو تمام زمانے کی عورتوں پر فضیلت نہیں دی گئی۔ وہ اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار تھیں جبکہ فاطمہؑ ساری کی ساری عورتوں کی سردار ہیں۔" (علل الشرائع)

محقّقین نے نتیجے نکالے کہ: خدا کی طرف سے رہنمائی کے لیے ۲ دو باتیں ضروری ہیں

(باقی صفحہ ۲۹ پر ملاحظہ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

(بقیہ از صفحہ ۲۸۹ آیت ۴۲) .... (۱) خدا کا انتخاب (۲) طہارت ۔ اِس لیے رسولِ کے بعد امامت و ہدایت پر وہی لوگ فائز ہوں گے جو اِن دونوں صفات کے حامل ہوں گے ۔

دوسرا نتیجہ یہ نکالا کہ خدا خواتین کے لیے ایک نمونۂ کامل یا مثالی کردار ضرور قرار دیا کرتا ہے ۔ عورتوں کو خدا بغیر کسی کامل رہنما کے نہیں چھوڑا کرتا ۔ سابقین میں یہ مقام حضرت مریمؑ کو حاصل ہے اور اِس اُمّت میں اور تمام عالمین میں یہ مقام حضرت محمّد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی بیٹی جناب فاطمہ زہرا کو حاصل ہے ۔ اِسی لیے رسولِ خدا نے جناب فاطمہ کو جنّت کی تمام عورتوں کی سردار (سیّدۃ نساء الجنّۃ) اور عالمین کی تمام عورتوں کی سردار (سیّدۃ نساءِ العالمین) فرمایا اور خدا نے آیۂ تطہیر کا مرکز قرار دیا ۔ یعنی تمام عالم کی عورتوں میں حضرت فاطمہ کے مثل کوئی (عورت) نہیں ۔ (تفسیر مجمع البیان بقول امام محمّد باقرؑ)

حضرت مریمؑ اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار تھیں ۔ (تفسیر جلالین)

مریمؑ از یک نسبتِ عیسٰیؑ عزیز ::: از سہ نسبت حضرتِ زہرا عزیز (علامہ اقبالؒ)

"یعنی حضرت مریمؑ صرف ایک حضرت عیسٰیؑ کی نسبت کی وجہ سے عزّت مآب ہوئیں ۔ جبکہ حضرت فاطمہ زہرا کو تین حوالوں سے عزّت و شرف حاصل ہے ۔ وہ حضرت محمّد مصطفےٰ کی بیٹی ، حضرت علی مرتضیٰ کی بیوی ، اور حسنین کی مادرِ گرامی تھیں ۔"

"ترجیح دی مریمؑ کو اُن پر جو اُن کے زمانے میں (عورتیں) تھیں ۔ حضرت فاطمہ (کو ترجیح دی) ساری خدائی کی اگلی پچھلی عورتوں پر" (تاج العلماء)

www.drhasanrizvi.org

يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَ اسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝ (۴۳)

(۴۳) تو اے مریم! (اس عظیم نعمت پر شکریے میں تُو) اپنے پالنے والے کی بندگی کرتی رہ، اُسی کے آگے سجدہ کرتی رہ اور خدا کے سامنے جُھکنے اور رُکوع کرنے والوں کے ساتھ تُو بھی جُھکی رہ۔ ——— (۴۳)

آیت ۴۳ کی وضاحت: "رُکوع" کے لفظ سے محققین نے نتیجہ نکالا کہ شریعتِ موسوی میں رُکوع موجود تھا۔ اب صرف دُعاء والی نماز جو عیسائی پڑھتے ہیں، بعد کی ایجاد ہے۔

خدا کا مریم سے فرمانا کہ "رُکوع کرنے والوں کے ساتھ رُکوع کرتی رہو" تو اس کے معنی یہ ہیں کہ جیسے اللہ کے مخلص بندے رُکوع کرتے ہیں، اُسی طرح تم بھی رکوع کرتی رہو۔ مراد یہ نہیں کہ باہر نکل کر نمازیوں کے ساتھ صف میں شامل ہوکر باجماعت نماز پڑھو۔ (بلاغی)

آیت میں رُکوع سے پہلے سجدے کا ذکر کرنے سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہوگا کہ کوئی ایسی نماز بھی تھی جس میں پہلے سجدہ تھا اور بعد میں رُکوع تھا۔ اس لیے کہ سجدہ اور رُکوع کے ذکر میں درمیان میں واؤ عطف ہے، جس میں ترتیب کے معنی نہیں ہوا کرتے۔ اس کے معنی صرف جمع کرنے یا مشترک ہونے کے ہوتے ہیں۔

(مجمع البیان)

خدا کا شکر ادا کرنے کی تعلیم

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ (۴۴) (اے محمدؐ) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم

اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ تمھیں وحی کے ذریعے بتا رہے ہیں۔

اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ جبکہ تم تو اُس وقت وہاں موجود ہی نہ تھے

يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۠ وَمَا كُنْتَ جب وہ مریمؑ کی سرپرستی کے لیے اپنے

لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ○ (۴۴) قلم (قرعہ اندازی کیلئے دریا میں) پھینک

رہے تھے۔ اور تم اُس وقت بھی اُن کے پاس نہ تھے جب وہ ایکدوسرے سے جھگڑ رہے تھے۔ (۴۴)

آیت ۴۴ کی وضاحت : فال اشارۂ غیبی کی قائم مقام تھی۔ فال کا طریقہ یہ رائج تھا کہ نئے کے قلم جن سے تورات لکھی جاتی تھی اُن پر تورات کے کچھ کلمات لکھ کر دریا میں ڈال دیے جاتے تھے۔ سارے قلم تو دریا کے رُخ بہتے تھے لیکن جو قلم دریا کے رُخ کی مخالف سمت بہتے تھے، کامیابی کی علامت قرار پاتے تھے۔ یہی صورت یہاں ہوئی اور قرعے میں حضرت زکریاؑ کا قلم مخالف سمت بہا۔ (ماجدی)

لہ اس آیت میں قرآن کے اعجازی پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے۔ کیونکہ رسولؐ کے پاس کوئی اور ذریعہ ان حالات کے جان لینے کا نہ تھا۔ اس لیے کہ اہلِ کتاب کے علماء اپنی مذہبی معلومات کو راز بنا کر اپنے سینوں میں چھپائے رکھتے تھے اور اپنی کتابوں کی اشاعت بالکل نہ کرتے تھے تاکہ دوسرے لوگ مذہبی معلومات حاصل نہ کرسکیں اور ہمیشہ اُن کے محتاج بھی رہیں اور اندھا دھند اُن کی ہر بات مان لیں۔ چون وچرا نہ کریں۔ پھر اُنھوں نے اُن کتابوں کو اپنی مرضی کے مطابق نفع کے لیے بدل رکھا تھا۔ قرآن نے ان تمام معلومات کو صحیح شکل میں پیش کیا۔ تو ظاہر ہے کہ رسولؐ اکرم نے یہ تمام

(باقی صفحہ ۲۹۳ پر ملاحظہ فرمائیں)

ہمارے رسولؐ کی رسالت کا ثبوت

www.drhasanrizvi.org

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ (۴۵)

جب فرشتوں نے کہا: "اے مریم! اللہ تجھے اپنے ایک "کلمہ" (بچے) کی خوشخبری دیتا ہے۔ اُس کا نام مسیح، عیسیٰ ابنِ مریم ہوگا[1]۔ وہ دُنیا اور آخرت دونوں میں عزّت اور مرتبہ والا اور اللہ کے مقرّب بندوں میں سے ہوگا[2]۔

(بقیہ از صفحہ ۲۹۲ آیت ۴۴) : .... باتیں خدا کی وحی ہی سے بتائیں، کیونکہ اور کوئی ذریعہ اِن معلومات کو حاصل کرنے کا موجود ہی نہ تھا۔ (فصل الخطاب)

[1] آیت میں حضرت عیسیٰ کو جناب مریم کا بیٹا فرما کر اِس بات کو بتا دیا کہ وہ خدا کے بیٹے نہ تھے اور حضرت عیسیٰ کو خدا کا کلمہ اِس لیے فرمایا کہ وہ فطری اسباب اور نظام کے خلاف صرف خدا کے اشارۂ قدرت سے پیدا ہوئے تھے جسے قرآن نے لفظِ "کُنْ" یعنی "ہوجا" سے تعبیر فرمایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ "عیسیٰ محض خدا کی ایک بات یعنی "کُنْ" کہنے سے بنے تھے۔ (تاج العلماء)

[2] حضرت عیسیٰ کے دنیا کا اعزاز تو اِس سے ظاہر ہے کہ زمین پر آج پچاس کروڑ مسلمان اور کروڑوں کی تعداد میں عیسائی اُن کو اللہ کا سچا رسول مانتے ہیں اُن کا نام پورے احترام سے لیتے ہیں۔ وہ لوگوں کے دلوں پر حکومت کر رہے ہیں۔ اور قرآن کا حضرت عیسیٰ کو مقرّبینِ خدا میں سے ہونا بتاتا ہے کہ یہی اُن کا اصل مقام ہے اور یہ رَدّ ہے اُن کے خدا کے شریک یا بیٹے ہونے کی۔

www.drhasanrizvi.org

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ (۴۶) اور وہ ماں کی گود میں لوگوں
وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ (۴۶) سے (اُسی طرح) باتیں کرے گا (جیسے کہ)
بڑی عمر میں۔ اور وہ نیک آدمیوں میں سے ہوگا ——— (۴۶)

آیت ۴۶ کی وضاحت: محققین نے لکھا کہ حضرت عیسٰی نے بچپنے میں تو باتیں کی تھیں مگر جوانی میں آسمان پر اُٹھا لیے گئے۔ اب خدا کا یہ فرمانا کہ "بوڑھاپے میں بھی باتیں کریں گے"۔ سے نتیجہ نکلا کہ حضرت عیسٰی دوبارہ زمین پر تشریف لائیں گے اور حضرت امام مہدی کی حمایت فرمائیں گے اور لوگوں کو اُن کی بیعت کی ترغیب دیں گے۔ (تفسیر برہان)

خدا کے اس ارشاد کا کہ "عیسٰی گہوارے میں بھی باتیں کریں گے اور پوری عمر کو پہنچ کر بھی باتیں کریں گے" یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں حالتوں میں یکساں کلام فرمائیں گے (نیشاپوری)
یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ساری عمر ایک جیسی باتیں کریں گے۔ اُن کی باتوں میں تضاد یا سطح کا فرق نہ ہوگا کیونکہ وہ ساری عمر وحیٔ الٰہی سے کلام فرمائیں گے۔ (نیشاپوری)

حضرت عیسٰی لوگوں سے بچپنے ہی میں باتیں کرتے تھے" سے مراد بعض مفسرین نے یہ بھی لیا کہ آپ بچپنے ہی سے لوگوں کو جوش و خروش کے ساتھ توحید کا سبق دیتے تھے لیکن زیادہ تر مفسرین نے بچپنے سے مراد گہوارے میں لیٹے ہوتے کلام کرنا لکھا ہے (کشاف، بیضاوی)

اور "کھلا" سے مراد پختہ عمر ہے۔ اس کا اطلاق ۳۰ سال سے ۵۰ سال کی عمر تک ہوتا ہے یعنی بڑھاپے اور بچپنے کے درمیان کا زمانہ۔ (قرطبی۔ روح۔) "المنجد"

www.drhasanrizvi.org

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ (۴۷)

(یہ سُن کر) مریم نے کہا: اے میرے مالک! بھلا میرے بیٹا کیسے ہوگا جب کہ مجھے تو کسی مرد نے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ (خدا نے) فرمایا: ایسے ہی، اللہ جو چاہتا ہے (بلا اسباب اور واسطوں کے بھی) پیدا کر دیتا ہے۔ وہ جب کسی کام کے کرنے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو بس کہتا ہے کہ ہو جا۔ اور وہ فوراً ہو جاتا ہے۔ (۴۷)

آیت ۴۷ کی وضاحت: مطلب یہ ہے کہ اگر خدا چاہتا ہے تو بچے کو اس طرح پیدا کرتا ہے کہ وہ نطفے سے تدریجی طور پر ترقی کرتے ہوئے جنین اور پھر طفل کی شکل اختیار کرتا ہے اور اگر چاہتا ہے تو اس طرح پیدا کرتا ہے کہ بغیر نطفہ کے یکایک جنین کی شکل میں وجود میں آجائے۔ وہ ہر طرح کی پیدائش پر قادر ہے۔ (نیشاپوری)

یہ آیت نیچریوں کی اس کوشش کو بالکل رد کر دیتی ہے کہ وہ کھینچ تان کر یہ ثابت کرتے ہیں کہ معجزات یا خرقِ عادت کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ کائنات میں صرف اسبابِ فطرت ہی کی کارفرمائی ہوتی ہے۔ اس سے اوپر اور کوئی قانون نہیں۔

اس قسم کی تمام آیتیں رد ہیں ان تمام احمق فلسفیوں کی جو حادث پر قیاس کر کے خدائے قدیم کو بھی سلسلۂ اسباب کا پابند سمجھتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ کی ولادت کا انداز

www.drhasanrizvi.org

حضرت عیسیٰ کے فرائض

وَ یُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ (۴۸) اور وہ (اللہ) اُس (بچے) کو
وَ التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِیْلَ ۚ (۴۸) کتابؔ اور حکمتؔ (دانائی کی گہری
حقیقتوں) کی تعلیم دے گا، تورات اور انجیل کا علم سکھائے گا۔ — (۴۸)

آیت ۴۸ کی وضاحت: لہ حکمت " سے مراد دین کی حقیقت ہے اور دانائی کی باتیں ہیں۔ محققین نے اِس سے ثابت کیا ہے کہ پیغمبر دین کی تعلیم اپنی کتاب کے علاوہ بھی لے کر آتے ہیں، جس میں تہذیبِ اخلاق کے رموز اور احادیث شامل ہیں۔ (روح، تفسیر کبیر)

ٓ "کتاب" کے معنی قوانینِ الٰہی کا علم بھی ہوتا ہے۔ اِس آیت میں یہی مراد ہے۔ اِس لیے کہ کتاب کا لفظ تورات اور انجیل دونوں سے پہلے آیا ہے لیکن بعض مفسرین نے یہاں کتاب سے مراد کتبِ آسمانی لیے ہیں اور تورات اور انجیل کے بعد کے ذکر کو تورات اور انجیل کی اہمیت کے اظہار کے لیے قرار دیا ہے جس طرح مولنا فرمان علی (اعلی اللہ مقامہٗ) نے ترجمہ کیا " خدا اُس کو (تمام) کتبِ آسمانی اور عقل کی باتیں اور (خاص کر) تورات اور انجیل سکھائے گا۔"

آیت ۴۹ لہ اور حضرت عیسیٰ کے لیے خدا کا یہ فرمانا کہ "بنی اسرائیل کی طرف" بتاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ صرف بنی اسرائیل کے لیے نبی تھے۔ یہ بات بائیبل سے بھی ثابت ہے اور دیگر احادیثِ معصومین سے بھی۔

ٓ اور حضرت عیسیٰ کا ہر معجزہ دکھانے پر "باذن اللہ" یعنی "اللہ کی اجازت سے" بار بار کہنا اس لیے تھا کہ شرک کی رد ہو جائے اور ہر شخص یہ سمجھ لے کہ مردہ یا مجسّے کو زندہ کرنا عیسیٰ کا کام نہیں تھا، بلکہ اللہ نے یہ کام کیا تھا جو اُن کے ذریعے سے یا اُن کے ہاتھ پر ظاہر کیا گیا۔ یہ ایسے سارے کام خدا کے کام ہیں انسان کے نہیں (تفسیر صافی)

www.drhasanrizvi.org

وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۬ (۴۹)
اَنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ
رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّىْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ
الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ
فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًاۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ
وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ
وَاُحْىِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ
وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَ
مَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِىْ بُيُوْتِكُمْ ۭ
اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ
كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ (۴۹)

اور بنی اسرائیل کی طرف اپنا رسول بنائے گا۔ (وہ کہے گا) میں تمھارے پاس تمھارے رَبّ کی طرف سے نشان لے کر آیا ہوں میں تمھارے سامنے مٹّی سے پرندے کی صورت (کا ایک پُتلا) بناتا ہوں۔ وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جائے گا۔ اور میں اللہ کے حکم سے مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دیتا ہوں۔ اور میں اللہ کے حکم سے مُردے کو زندہ کر دیتا ہوں، اور تم جو کچھ کھاتے ہو اور اپنے گھروں میں ذخیرہ جمع کرتے ہو، وہ تک تمھیں بتلائے دیتا ہوں۔ اِس میں تمھارے لیے (خدا کی قدرت کی) ایک نشانی ہے۔ اگر تم حق بات کو ماننے والے ہو ——— (۴۹)

آیت ۴۹ کی وضاحت : حضرت عیسٰیؑ کا فرمانا کہ: "میں تمھارے پاس تمھارے پالنے والے مالک کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں"۔ یہ بتانے کے لیے ہے کہ معجزے کا ظہور خدا ہی کی طرف سے ہوتا ہے، پیغمبر کی قدرت سے نہیں ہوتا۔ یہ اور بات ہے کہ اُس کا مقصد پیغمبر کی تائید۔۔

(باقی صفحہ ۲۹۸ پر ملاحظہ فرمائیں)

(بقیہ از صفحہ ۲۹۷ آیت ۴۹)

.... کرنا ہوتا۔ اور حضرت عیسیٰؑ کا فرمانا "اَخْلُقُ" یعنی میں پیدا کرتا ہوں۔" تو خَلق کی نسبت جب خدا کی جانب ہو تو اُس کے معنی نیست سے ہست کرنا ہوتا ہے۔ یعنی عدم سے وجود میں لانا۔ مگر جب خَلق کی نسبت کسی انسان کی طرف دی جائے تو اِس کے معنی پیدا کی ہوئی چیزوں کو ملا کر دوسری چیزیں بنا دینا، اندازہ کرنا، اندازے سے بنانا، یا صورت بنانا ہوتا ہے۔ (تاج، راغب، روح، تفسیرِ کبیر)

تمام محقّقین اِس بات پر متّفق ہیں کہ حضرت عیسٰیؑ کے معجزات میں شفا بخشی اور مُردوں کو زندہ کرنا ثابت ہے۔ (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۱۵ صـ ۶۲ و صـ ۴۲۱ و صـ ۴۳۷ - کالم ۲۴۴۵)

اِس کے باوجود "جیوش انسائیکلو پیڈیا" نے لکھا: "یسوع نے بحیثیت معلّمِ دین یا قانون ساز کے نہیں بلکہ بحیثیت شعبدہ باز کے اپنی زندگی میں شہرت اور ناموری گلیل کے سادہ مزاج باشندوں میں حاصل کی۔" (جیوش انسائیکلو پیڈیا جلد، صـ ۱۶۷)

حضرت عیسٰیؑ جب سات آٹھ سال کے ہوئے تو لوگوں کو جو کچھ بھی کہ وہ گھروں میں کھاتے تھے یا ذخیرہ کرتے تھے اُس کی خبریں دینے لگے۔ پھر اُن کے سامنے مُردوں کو زندہ کرتے اور مادر زاد اندھوں، کوڑھیوں کو صحت بخشتے۔ اور تورات پڑھاتے۔ پھر جب خدا نے بنی اسرائیل پر اپنی حجّت تمام کرنی چاہی تو حضرت عیسٰیؑ پر انجیل نازل فرمائی۔

(تفسیر صافی صـ ۸۴ بحوالہ تفسیر عیاشی)

www.drhasanrizvi.org

وَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ (۵۰) اور میں تورات کی تصدیق کرنے
مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ لِاُحِلَّ لَكُمْ والا ہوں، جو مجھ سے پہلے آئی ہے اور
بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَ میں اِس لیے آیا ہوں کہ اُن میں سے
جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۫ کچھ چیزوں کو حلال کر دوں جو تم پر
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ○ (۵۰) (مُفتیوں وغیرہ نے) حرام کر دی ہیں
اور میں تو تمھارے ربّ کی طرف سے تمھارے
پاس نشانی لیکر آیا ہوں، لٰہذا تم اللہ
سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔ (۵۰)

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبُّكُمْ (۵۱) حقیقتاً اللہ میرا بھی پالنے والا ہے اور
فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ تمھارا بھی پروردگار ہے۔ لٰہذا تم اُسی کی
مُّسْتَقِيْمٌ ○ (۵۱) بندگی اختیار کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔

آیت ۵۰: محققین نے اِس آیت سے نتیجہ نکالا کہ حضرت موسیٰؑ کی شریعت کے کچھ احکام حضرت عیسیٰؑ کی شریعت میں منسوخ کیے گئے تھے۔ (تفسیر صافی)

آیت ۵۱: آیت کا پیغام یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کا وہی پیغام ہے جو تمام انبیاءؑ کا پیغام ہے اور یہ عقیدہ بالکل غلط ہے کہ عیسیٰؑ خدا یا خدا کے بیٹے ہیں۔ یہ بات تو خود حضرت عیسیٰؑ کی تعلیم کے خلاف ہے۔ (تفسیر مجمع البیان)

حضرت عیسیٰؑ کا پیغام توحید

www.drhasanrizvi.org

حضرت عیسیٰ کی مدد و نصرت کے لیے حواری

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ (۵۲)
الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ
اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ
نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا
بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ○ (۵۲)

پھر جب عیسیٰ نے اُن کی طرف سے انکار محسوس کیا تو بولے: کون اللہ کے لیے میرا مددگار بنے گا؟ حواریوں[۲] نے جواب دیا: ہم اللہ کے مددگار ہیں[۳] ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں۔ آپ گواہ رہیئے کہ ہم مسلم (اللہ کے فرمانبردار) ہیں

آیت ۵۲ کی وضاحت: [۱] حضرت عیسیٰ نے اپنی قوم کو نصرتِ دین کے لیے پکارا۔ اِس سے محققین نے نتیجہ نکالا کہ اہلِ دین سے دین کے بارے میں مدد طلب کرنا توکل کے منافی نہیں (قرطبی، بحر، بیضاوی)

[۲] حواری کے لفظی معنی کپڑا دھوکر اُسے صاف اور اُجلا کر دینے کے ہیں۔ (راغب، قرطبی)

حضرت عیسیٰ کے ابتدائی مرید عموماً دریا کے کنارے کام کرنے والے مچھیرے اور دھوبی تھے۔ اِس لیے آپ کے بعد بھی آپ کے رفیقوں، شاگردوں اور صحابیوں کا یہی لقب پڑگیا۔ اب اِس کے مجازی معنی مخلص مددگار کے ہوگئے۔ (قرطبی، راغب، کشاف)

[۳] حواریوں کا یہ فرمانا کہ "ہم ہیں اللہ کے مددگار" اِس سے محققین نے نتیجہ نکالا کہ اہل اللہ کے ساتھ معاملہ کرنا، دوستی، دشمنی کرنا، اُن کی مدد کرنا ایسا ہی ہے جیسے اللہ کے ساتھ معاملہ کرنا ہو، یا اللہ کے ساتھ دوستی دشمنی کرنا ہو۔ حضرت امام حسینؑ کیلئے تو رسولِ خداؐ نے یہاں تک فرمایا: "اَحَبَّ اللّٰہُ مَنْ اَحَبَّ حُسَیْنًا (یعنی خود خدا اُس سے محبت کرتا ہے جو حسینؑ سے محبت رکھتا ہے۔" (ترمذی شریف)

(باقی صفحہ ۳۰۱ پر ملاحظہ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ (۵۳)

اے ہمارے پالنے والے! جو کچھ بھی تو نے نازل فرمایا ہے ہم نے اُسے مان لیا اور ہم نے (تیرے) رسُول کی پیروی اختیار کرلی۔ تو اب ہمارا نام بھی گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔

(بقیہ از صفحہ ۳۰۰ آیت ۵۲) ... حضرت امام رضاؑ سے پوچھا گیا کہ حواریوں کو حواری کیوں کہا گیا؟

فرمایا: "عام لوگوں کے نزدیک تو اس لیے حواری کہا گیا کہ وہ دھوبی تھے۔ اُن کے کپڑوں کو دھو کر اُن کا میل کچیل صاف کیا کرتے تھے لیکن اصل میں یہ لفظ حَوَر سے مشتق ہے، جس کے معنی خالص سفیدی کے ہوتے ہیں۔ اس لیے ہمارے نزدیک وہ اس لیے حواری کہلائے کہ اُنھوں نے اپنے نفسوں کو خالص خدا کا کرلیا تھا اور اپنے وعظ و نصیحت سے دوسروں کو گناہوں کے میل کچیل سے پاک کر دیا کرتے تھے"

(تفسیر صافی صفحہ ۸۴ بحوالہ عیون اخبار الرضاؑ)

حدیث میں ہے کہ ان کی تعداد بارہ تھی۔

آیت ۵۳ کی وضاحت: مسیحؑ کے صحابی ابھی تو مسیحؑ سے بات کر رہے ہیں اور یکایک براہِ راست خدا سے دعا کرنے لگے۔ قرآن مجید اکثر ایسے موقعوں پر ایسا ہی کرتا ہے کہ بندوں کو بار بار خدا کی طرف پھیر پھیر دیتا ہے۔ یہ ہے توحید کا اہتمام۔

؎ اور گواہوں سے مراد حق کے گواہ ہونا ہے۔ جیسا کہ خدا نے فرمایا: "تم لوگ تمام لوگوں پر گواہ ہو اور رسولؐ تم پر گواہ ہوں" (بقرہ ۱۴۳) ظاہر ہے کہ اُن سے مراد اُمتِ محمدیہ کے وہ بلند مرتبہ نفوس یعنی ائمہ طاہرینؑ ہیں جن کے ساتھ ہونا ہر دور کے مومنین اور مخلصین کے لیے باعثِ فخر ہو۔

(نیشاپوری، فصل الخطاب)

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝ (۵۴)

مگر انھوں (بنی اسرائیل) نے خفیہ چالیں چلنی شروع کردیں، تو اللہ نے بھی اپنی خفیہ تدبیر کی، اور اللہ سب خفیہ مدبّروں سے کہیں بہتر ہے (۵۴)

خفیہ چالیں چلنے والوں کا انجام

آیت ۵۴ کی وضاحت : یہودی سرداروں نے بالآخر یہ طے کرلیا کہ حضرت عیسیٰؑ کو ختم ہی کردینا چاہیے۔ لہٰذا پہلے اپنی مذہبی عدالت میں اُن پر الحاد کا الزام لگا کر اُن کو واجب القتل قرار دیا۔ ہر آمر، مُلّا اور سردار کا ہمیشہ یہی حربہ ہوا کرتا ہے۔ پھر رومی حاکموں کی ملکی عدالت میں لاکر اُن پر بغاوت کا مقدمہ چلایا۔ یہ معرکہ ملکِ شام کے صوبے فلسطین میں پیش آیا۔ یہاں شہنشاہِ روم کی طرف سے ایک نائب السلطنت رہتا تھا۔ رومی مشرک اور بُت پرست تھے۔ یہودیوں کو اتنا اختیار تھا کہ اپنے لوگوں کے مقدمات اپنے مذہبی عدالتوں میں لائیں۔ لیکن سزا دلوانے کے لیے انھیں اُن مجرموں کو ملکی عدالت میں لانا پڑتا تھا۔ الحاد کا فتویٰ تو مذہبی عدالت دے سکتی تھی لیکن موت کی سزا صرف رومی عدالت دے سکتی تھی۔ وہاں بغاوت کے جُرم میں رومی حکومت سولی پر چڑھاتی تھی۔ مگر خدا نے اُن کی ساری چالبازیاں اور قانونی حربے بیکار کردیے۔ حضرت عیسیٰؑ کو سولی کی موت سے بچالیا۔

عربی زبان میں ایک قاعدہ مشاکلت کا ہوتا ہے۔ یعنی کسی فعل کی سزا یا جواب اُسی لفظ سے دیا جاتا ہے۔ اِسطرح لفظِ مکر استعمال کرنے میں کوئی عیب نہیں ہوتا۔

لفظِ "مکر" کو خدا نے پہلے کافروں کے لیے استعمال فرمایا، پھر خود اپنے لیے بھی استعمال

(باقی صفحہ ۳۰۳ پر ملاحظہ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

(بقیہ از صفحہ ۳۰۲ آیت ۵۴) .... فرمایا۔ اس کو علمِ بلاغت میں صفت مشاکلہ کہتے ہیں جب خدا مکر کو اپنے لیے استعمال فرماتا ہے تو اس کے معنی مکر کی سزا دینا ہوتا ہے۔

یوں بے دھڑک مکر کا لفظ اللہ کے ساتھ آنا، ہم اُردو بولنے والوں کے لیے تو نامناسب معلوم ہوتا ہے، لیکن ماہرین نے لکھا کہ عربی میں مکر کے لفظ میں کوئی بُرا پہلو سرے سے ہوتا ہی نہیں۔ عربی میں مکر کے معنی دشمن کے مقابلے میں ایسی باریک صورت سے اقدام کرنا ہوتا ہے جسے دشمن سمجھ نہ سکے۔ اِس لیے اِس لفظ کو خدا کے لیے عربی میں استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اِسی لیے قرآن نے یہ لفظ خدا کے لیے استعمال فرمایا ہے۔ مثلاً فرمایا: "کیا وہ اپنے خلاف خدا کی خُفیہ کارروائی (مکر) سے مطمئن ہیں۔ تو اللہ کی خُفیہ کارروائی (مکر) سے مطمئن نہیں ہوتے مگر وہی لوگ جو نقصان اُٹھانے والے ہیں۔" (اعراف ۹۹)

نیز فرمایا: "اللہ بہترین مکر کرنے والا ہے" (یعنی) بہترین خفیہ کارروائی کرنے والا ہے" (آلِ عمران - ۵۴) انفال - ۳۰)

اِس کے علاوہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ "خدا کے "مکر" کرنے کے معنی مکر کی سزا دینا بھی ہے۔

اور علاوہ ازیں مکروا و مکر اللہ کے یہ معنی بھی لکھے گئے ہیں کہ: "اُن کے مکر و تدبیر سے مراد، ایذا رسانی کے درپے ہونا اور اللہ کے مکر و تدبیر سے مراد ہے حضرت عیسیٰؑ کو بچا لینا اور آسمان پر اُٹھا لینا۔ (تفسیر انوار النجف جلد ۳ صـ ۱۴۲)

www.drhasanrizvi.org

حضرت عیسیٰؑ کا آسمان پر بلند ہونا اور ان کی پیروی کرنے والوں کی فضیلت

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّيْ (۵۵)	جب اللہ نے کہا: اے عیسیٰؑ!
مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ	بیشک (اب) میں تجھے پورا اُٹھا
وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ	لوں گا۔[۱] اور تجھے اپنی طرف اُٹھالوں گا
كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ	اور جنھوں نے تیرا انکار کیا ہے (اُن
اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ	کے شر سے) تجھے پاک رکھوں گا۔[۲] اور تیری
كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ	پیروی کرنے والوں کو قیامت تک
اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ	اُن پر غالب رکھوں گا جو تیرے منکر ہیں
فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ (۵۵)	پھر تم سب کو (بالآخر) میرے ہی پاس

آنا ہے۔ اُس وقت میں اُن باتوں کا فیصلہ کردوں گا جس میں تم ایکدوسرے سے جھگڑتے رہتے تھے۔

آیت ۵۵ کی وضاحت: [۱] قادیانی حضرات نے لفظ مُتَوَفِّيْكَ سے حضرت عیسیٰؑ کی موت کو ثابت کردیا، اور اسی دلیل پر شیخ مرزا غلام احمد صاحب نے اپنے کو مسیح ثابت فرمایا ہے۔ حالانکہ عربی میں یہ لفظ فقط موت کے لیے استعمال نہیں ہوتا۔ عربی میں کسی لفظ کے حقیقی معنی معلوم کرنے کا قاعدہ یہ ہے کہ اُس لفظ کے مادّے اور ثلاثی مجرّد کو دیکھا جائے۔ لفظ "تُوَفّٰی" کے معنیٰ وفا کرنا، حقِ اُخوّت کو ادا کرنا، پورا کرنا، وعدہ وفا کرنا ہے۔ اِسی سے وفات ہے کہ جس کے معنی مدّتِ حیات کا پورا کرنا ہے۔ اِس لیے اِس لفظ کے یہاں معنی پورا کرنا اور درجۂ اتمام کو پہنچانا ہے۔ نیز اِس کے اصلی معنی قبضہ کرلینے کے بھی ہیں۔ قرآن میں اِس کی بے شمار مثالیں ہیں مثلاً:

(باقی صفحہ ۳۰۵ پر ملاحظہ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

(بقیہ از صفحہ ۳۰۴ آیت ۵۵)

... (۱) يُوفُونَ بِالنَّذْرِ (سورۂ دہر) یعنی وہ لوگ جو اپنی نذروں کو پورا کرتے ہیں۔ (۲) اَوْفُوا بِعَهْدِيْ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ (سورہ بقرہ) یعنی، (اے میرے بندو!) تم میرے عہد پورے کرو، میں تمھارے ساتھ کیے ہوئے اپنے وعدوں کو پورا کروں گا۔ (۳) وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰى (سورۂ نجم) یعنی۔ وہ ابراہیمؑ جس نے اپنے وعدے کو پورا کیا۔ (۴) نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ (سورۂ ھود) ہم اُن کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیں گے۔ (۵) وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ (سورہ نحل) یعنی، اور ہر ایک نفس کو اُس کے اعمال کا پورا پورا اجر دیا جائے گا۔ (۶) بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ (آلِ عمران) یعنی، ہاں وہ شخص جس نے اپنے وعدے کو پورا کیا۔ (۷) "وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ" (سورۂ انعام) وہ (خدا) جو رات کو تم کو پورا پورا لے لیتا ہے۔ اِن تمام آیات میں اِس لفظ کے کہیں بھی موت کے معنی ہو ہی نہیں سکتے۔ اِس لیے اِس آیت ۵۵ میں بھی حضرت عیسیٰؑ کو پورا پورا اٹھا لینا مقصود ہے۔ اُن کی موت ثابت نہیں ہوتی

(القرآن المبین)

؎ خدا کا یہ فرمانا کہ "اے عیسیٰؑ! تمھیں اِن کافروں سے پاک کرتا ہوں" یعنی یہ کافر تمھارے ساتھ رہنے کے لائق نہیں۔ کیونکہ اِن کا تمھارے ساتھ رہنا تمھارے لیے نجاست ہے اور تمھاری شان اِس سے بالاتر ہے کہ تم اِن میں رہو اس لیے تمھیں زندہ اپنی طرف اُٹھائے لیتا ہوں۔ (مجمع البیان - فصل الخطاب)

اِسی طرح خدا نے امام مہدیؑ کو غیبت کا پردہ ڈال کر اُمت کے ظالموں سے الگ کر دیا

(باقی صفحہ ۳۰۶ پر ملاحظہ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

(بقیہ از صـ ۳۰۵ آیت ۵۵) ... کیونکہ رسولِ خداؐ نے فرمایا تھا " جو کچھ بھی بنی اسرائیل میں ہوا وہ اس اُمّت میں بھی ضرور ہوگا۔" (صحاح ستّہ)

امام رازی نے لکھا کہ قرآن میں یہ محاورہ عام ہے کہ جہاں تعظیم مقصود ہوتی ہے وہاں خدا فعل کو اپنی جانب منسوب فرما دیا کرتا ہے۔ مثلاً حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ " میں اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں۔" حالانکہ ظاہر ہے کہ ابراہیمؑ عراق سے شام گئے تھے۔ خدا کا مقصد ابراہیمؑ کی ہجرت کی عظمت کو بتانا تھا۔ (تفسیرِ کبیر)

حضرت عیسٰیؑ کی جب پیدائش ہی عام انسانی قاعدے سے الگ یعنی بغیر باپ کے ہوئی تھی تو آپؑ کا انجام بھی عام معمول سے الگ ہٹ کر ہی ہونا چاہیئے تھا۔ اور کیا عجب کہ مَلک کے مَس ہونے کی وجہ سے آپؑ کے جسم میں ایسی لطافت شروع ہی سے رہی ہو کہ جس کی وجہ سے آپؑ آسمانوں پر آسانی سے بلند ہوگئے۔ اور یہ دلیل بالکل بے کار ہے کہ رفعِ آسمانی سے آپؑ دوسرے انبیاء سے افضل ہوگئے۔ نہ معلوم روزانہ کتنے فرشتے زمین سے آسمان پر جاتے ہیں۔ تو کیا یہ سب فرشتے انبیاء سے افضل ہیں؟

بروایت تفسیرِ قمی حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے کہ حضرت عیسٰیؑ اپنے بارہ۱۲ حواریوں کو بلایا اور ایک کمرے میں لیجا کر فرمایا کہ خدا مجھے یہودیوں کے شر سے بچا کر اپنی طرف اُٹھانے والا ہے پس تم میں سے کون ہے جو میری جگہ قتل اور پھانسی کی سزا کو قبول کرے اور وہ میرے درجے میں میرا شریک۔ پس ایک جوان نے لبیک کہی۔ یہی جوان اُن کی شبیہ ہوگیا جس کو سولی دی گئی۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت عیسٰیؑ کی شبیہ اُس شخص پر ڈالی گئی جو یہودیوں کو حضرت عیسٰیؑ کو گرفتار کرنے کیلئے لایا تھا۔ (ملخص)

www.drhasanrizvi.org

(56) فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝ (56)

تو جن لوگوں نے (تیرا) انکار کیا ہے انھیں دُنیا اور آخرت میں سخت سزا دوں گا۔ اور اُن کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ [۱]

(57) وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (57)

اور جو لوگ ایمان لائے اور اُنھوں نے اچھے کام بھی کیے تو اُنھیں اُن کے پورے پورے اجر دیے جائیں گے۔ اور اللہ ظالموں (حد سے بڑھ جانے والوں) سے محبت نہیں کرتا۔ [۲]

آیت ۵۶ [۱] : یہودی دنیا میں بھی ہمیشہ بڑی بڑی سختیوں میں مبتلا رہے ہیں اور آخرت میں بھی حضرت عیسٰیؑ کا انکار اُن کے لیے سخت عذاب کا سبب ہوگا۔ (مجمع البیان)

یہودیوں کی دُنیوی سزا کا حال تو دُنیا کی تاریخ میں دیکھ لیجیے۔ جرمنی، اٹلی، ہنگری، رومانیہ وغیرہ سے جس بے دردی کے ساتھ یہ لوگ نکالے گئے وہ خونیں داستانیں تو ابھی بالکل تازہ ہیں۔ اور آخرت کی سزا کا ظہور آخرت میں ہوگا۔ (ماجدی)

آیت ۵۷ [۲] : محققین نے نتیجہ نکالا کہ "اللہ عادل ہے۔ اُس کے افعال میں ظلم کا کوئی شائبہ ممکن نہیں۔ کیونکہ وہ ظالموں کو پسند ہی نہیں کرتا۔

(فصل الخطاب)

www.drhasanrizvi.org

حضرت عیسیٰؑ خدا یا خدا کا بیٹا نہیں

ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ○ (۵۸)

(۵۸) یہ جو ہم تم کو سُنا رہے (اللہ کی قدرت اور آپؐ کی صداقت کی) نشانیاں ہیں، اور دانائی سے لبریز تذکرے ہیں۔ (۵۸)

حضرت عیسیٰؑ کی مثال حضرت آدمؑ سے

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۭ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ (۵۹)

(۵۹) بیشک اللہ کے نزدیک عیسیٰؑ کی مثال آدمؑ کی سی ہے۔ اُس (اللہ) نے آدمؑ کو مٹّی سے پیدا کیا اور حکم دیا اُس کے ہونے کے لیے کہ ہوجا اور وہ (بغیر ماں باپ کے پیدا) ہوگیا۔[۲] (۵۹)

آیت ۵۸: [۱] : "الحکیم" کا لفظ عام طور پر 'حکمت' سے مشتق مانا جاتا ہے۔ مگر بعض مترجمین اور مفسّرین نے اسے محکم یعنی مضبوط اور مستحکم کے معنی میں بھی لیا ہے

(جلالین ، شاہ ولی اللہ ، تاج العلماء)

لیکن بعض مفسّرین نے دونوں معنی لیے ہیں۔ (تفسیر صافی ، مجمع البیان) بعض نے حاکم بھی لیے ہیں۔ (نیشاپوری)

آیت ۵۹: [۲] : عیسائیوں کو خدا کا جواب یہ ہے کہ آدمؑ کو بشر تو تم خود بھی مانتے ہو جبکہ اُن کی پیدائش تو سب سے زیادہ عجیب ہے یعنی ماں باپ دونوں میں سے کسی کا واسطہ استعمال نہ ہوا۔ اِس سے ثابت ہوا کہ مخلوق ہونے کا دارومدار کسی خاص طرزِ ظہور پر نہیں مطلق حدوث پر ہے۔ یہی معاملہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کا تھا۔ (مترجم ومفسّر)

(باقی صفحہ ۳۰۹ پر ملاحظہ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ○ (۶۰)

(۶۰) سچ وہی ہے جو تیرا رب بیان کر رہا ہے۔ سو تم کہیں شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا۔[۱] (۶۰)

(بقیہ از صفحہ ۳۰۸ آیت ۵۹) : ۔۔۔ حضرت عیسٰی کے بارے میں یہودی اور عیسائی دونوں شبہ میں پڑے ہوئے تھے۔ یہودی تو بے ہودہ باتیں کرتے تھے اور عیسائی انھیں خدا کا بیٹا سمجھتے تھے۔ خدا نے ایک ہی مثال دے کر دونوں کی تشفّی کر دی۔ یہودیوں کو تو یہ جواب دیا کہ جب خدا آدم کو بغیر ماں باپ کے پیدا کر سکتا ہے تو عیسٰی کو بغیر باپ کے کیوں پیدا نہیں کر سکتا۔ اور عیسائیوں کو یہ جواب دیا کہ اگر عیسٰی صرف اس لیے خدا کے بیٹے ہیں کہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے، تو آدم تو زیادہ مستحق ہیں کہ خدا کے بیٹے کہلائیں، اس لیے کہ وہ تو بغیر ماں اور بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے

(مولنا فرمان علی ـ علامہ بلاغی در آلاء الرحمٰن)

آیت ۶۰ ـ [۱] اکابر مفسّرین نے تفصیل سے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ قرآن مجید میں کہیں تو رسولِ خداؐ ہی سے خطاب ہوتا ہے اور کہیں اصل مخاطب تو اُمّت ہوتی ہے لیکن رسولؐ کو تخاطب کا ذریعہ بنایا جاتا ہے۔ ان دونوں صورتوں کا فرق مفسّر کے ذوق پر منحصر ہے۔ یہاں پر بھی خطاب اُمّت سے ہے کیونکہ رسولؐ سے تو اس بات کا کوئی امکان ہی نہ تھا کہ وہ شک فرمائیں گے۔ (قرطبی)

www.drhasanrizvi.org

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ (۶۱) مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۟ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ○ (۶۱)

اب اِس علم کے آجانے کے بعد بھی کوئی آپؐ سے اِس بات میں بحث مباحثہ یا جھگڑا کرے، تو آپؐ اُس سے کہیں کہ اچھا آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بُلائیں تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ۔ ہم اپنی عورتوں کو بُلائیں، تم اپنی عورتوں کو بُلاؤ، ہم اپنی جانوں (نفسوں) کو بُلائیں اور تم اپنی جانوں کو بُلاؤ۔ اِس کے بعد ہم سب خدا سے التجا کریں کہ جو جھوٹا ہو اُس پر خدا کی لعنت ہو۔

مباہلہ کا حکم اور پنجتن پاک کی فضیلت

واقعۂ مباہلہ

آیت ۶۱ کی وضاحت : ۹ سنہ ہجری میں نجران کے عیسائیوں کے ۱۱۴ بڑے علماء اور راہب رسولِ اسلام ؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ موضوعِ بحث حضرت عیسیٰؑ کی الوہیت تھا۔ رسولِ اکرم ؐ نے بہترین دلیل دی کہ حضرت عیسیٰؑ کی مثال حضرت آدمؑ کی سی ہے۔ اگر حضرت عیسیٰؑ صرف اِس لیے خدا کے بیٹے ہیں کہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے، تو حضرت آدمؑ تو بغیر ماں اور بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ اتنی واضح دلیل پر بھی وہ نہ مانے تو کہا گیا کہ اب جبکہ زبانی افہام و تفہیم کے سارے طریقے طے ہو چکے تو اب مباہلہ کرلو۔ اصل میں عیسائی راہبوں کو اپنی روحانی طاقتوں پر بڑا ناز تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ رسولؐ جو شادیاں کرتا ہے، صاحبِ اولاد ہے، حکومت کا انتظام کرتا ہے، روحانی طاقتوں سے بے بہرہ ہے۔ خدا نے اُن کے اسی تکبر پر ضرب ماری اور مباہلہ کی دعوت دے دی۔ مباہلہ میں

(باقی صـ ۳۱۱ پر ملاحظہ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

(بقیہ از صفحہ ۳۱۰ آیت ۶۱) : ... ہر فریق اپنے کو اللہ کے سپرد کر دیا کرتا ہے اور خدا کے فیصلے کا انتظار کرتا ہے۔ حضور اکرمؐ، حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ، حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کو لے کر مباہلے کے لیے نکلے تو راہبوں نے اپنی رہبانی نگاہوں سے کچھ حقیقت کا مشاہدہ کیا تو کہنے لگے کہ خبردار! ان ہستیوں سے مباہلہ نہ کرنا۔ ہم ایسے چہرے دیکھ رہے ہیں کہ اگر یہ پہاڑوں کو حکم دیں تو اپنی جگہ سے ہٹ جائیں۔ سارے عیسائیوں نے ذمّی رعایا بن کر اسلامی حکومت میں رہنا منظور کر لیا۔ سر ولیم میور نے لکھا: "اس سارے واقعے میں (حضرت) محمدؐ کے ایمان کی پختگی بالکل نمایاں ہے۔ اُنکے اِس عقیدے کی شہادت کہ اُن کا تعلق عالم غیب سے جُڑا ہوا ہے اِس لیے حق اُن کے ساتھ ہے جبکہ مسیحیوں کے پاس بجز ظن و تخمین کے اور کچھ نہ تھا۔" (میور کی "لائف آف محمدؐ")

غرض یہ آیت آیۂ مباہلہ کہلاتی ہے۔ تمام مفسرین نے بالاتفاق لکھا کہ نجران کے عیسائی آئے۔ تین روز تک رسولؐ سے بحث کرتے رہے بات نہ مانی اور ضد پر اڑے رہے۔ دلیل کے اعتبار سے مکمل طور پر مغلوب ہوئے۔ اُن کو اپنی روحانیت پر غرّہ تھا۔ اِس لیے خدا نے مباہلے کی دعوت دی۔ یعنی اِس بات کا مقابلہ کہ ایک دوسرے کے لیے بددعا کی جائے۔ حضور اکرمؐ مباہلے کے لیے اِس حالت میں مدینے سے میدانِ مباہلہ میں تشریف لائے کہ امام حسینؑ آپؐ کی گود میں تھے۔ امام حسنؑ انگلی پکڑے چل رہے تھے، پیچھے حضرت فاطمہؑ تھیں اور آخر میں حضرت علیؑ تھے۔ یہ صورتِ حال دیکھتے ہی عیسائی پادریوں نے عیسائیوں سے کہا کہ ان لوگوں سے ہرگز مباہلہ نہ کرنا ہم ایسے چہرے دیکھ رہے ہیں کہ یہ پہاڑوں کو حکم دیں تو وہ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں۔ اُنھوں نے جزیہ دینا قبول کیا اور درخواست کی کہ حضورؐ! بددعا نہ فرمائیں۔ ہم آپ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ (تمام مفسرین خصوصاً تفسیر کبیر امام رازی)

(باقی صفحہ ۳۱۲ پر ملاحظہ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

(بقیہ از صفحہ ۳۱۱ آیت ۶۱ واقعۂ مباہلہ) :... محققین نے نتیجہ نکالا (۱) امام حسنؑ اور امام حسینؑ ابنائے رسولؐ ہیں کہ رسولِ خداؐ "اَبْنَآءَنَا" کے تحت اُن کو لے گئے (۲) حضرت فاطمہؑ کو نِسَآءَنَا کے تحت لے گئے (۳) حضرت علیؑ نفسِ رسولؐ ہیں کہ رسولِ خداؐ اَنْفُسَنَا کے تحت صرف حضرت علیؑ کو لے گئے۔ (۴) دعاء انھیں حضرات کا واسطہ دینے سے قبول ہوتی ہے۔ (۵) یہی پنجتنؑ پاک اسلامی تعلیمات کا کامل ترین نمونہ ہیں۔ اِسی لیے خدا کے حکم پر رسولؐ صرف انھیں کو مباہلے کے لیے لے گئے۔ (۶) علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ ہی حقیقی معنیٰ میں صادقین یا صدّیقین ہیں۔ اِس لیے کہ خدا نے جھوٹوں پر لعنت کے لیے انھیں کو منتخب فرمایا۔ اِن حضرات کی صداقت قرآن سے ثابت ہے۔ اِس لیے یہی حضرات اِس بات کے اہل ہیں کہ اِن سے دین کو سیکھا جائے اور احادیثِ رسولؐ کو اِن ہی سے اخذ کیا جائے۔ کیونکہ صدّیقین ہونے کی حیثیت سے یہی حضرات رسول خداؐ کے بعد سب سے افضل ہیں۔ اور مثالی کردار کے حامل ہیں۔

ایک مرتبہ مامون رشید نے حضرت امام علی رضاؑ سے عرض کی کہ آپ اپنی فضیلت قرآن سے بیان فرمائیں لیکن " اَبْنَآءَنَا " سے استدلال نہ فرمائیں۔ حضرت امامؑ نے فرمایا: ہمارے لیے خدا کا " اَنْفُسَنَا " فرما دینا ہی ہماری فضیلت کے لیے بہت کافی ہے اِس لیے کہ ہم کو خدا نے نفسِ رسولؐ قرار دیا ہے۔

علّامہ نیشاپوری نے لکھا " یہ آیت اِس بات کی دلیل ہے کہ حسنؑ و حسینؑ جو رسولؐ کی بیٹی کے فرزند تھے، اُنھیں فرزندِ رسولؐ کہنا درست ہے۔ کیونکہ رسولؐ " اَبْنَآءَنَا " کے تحت اِن لوگوں کو لے کر گئے تھے۔ (نیشاپوری)

www.drhasanrizvi.org

اِنَّ ھٰذَا لَھُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ (۶۲) وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَھُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (۶۲)

یقیناً یہ بالکل حقیقی اور سچے واقعات ہیں۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں۔ اور بیشک اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ (۶۳) بِالْمُفْسِدِيْنَ ۝ ۶۳ ع

سو اگر یہ لوگ اب بھی منہ موڑیں تو اللہ ایسے خرابی اور فساد کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔ ؎

ع ۱۴

قرآنی قصے بالکل حقیقی اور واقعات ہیں

آیت ۶۲ : ؎ آخر میں خدا نے خود کو "عزیز" یعنی "زبردست" طاقتور اور حکیم" یعنی ہر کام ٹھیک کرنے والا فرمایا ہے۔ محققین نے نتیجہ نکالا کہ اس میں شرک کی نفی بھی موجود ہے اس لیے کہ شریک کی ضرورت یا تو قوت کی کمی کی وجہ سے ہوتی ہے، یا علم کی کمی کی وجہ سے کیونکہ نہ تو اللہ کی طاقت میں کوئی نقص ہے اور نہ علم میں کوئی کمی ہے، اس لیے اُس کو اپنا شریک بنانے کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔ (تفسیر صافی)

آیت ۶۳ : ؎ محققین نے نتیجہ نکالا کہ شرک بہت بڑا فساد اور خرابی ہے کیونکہ اس سے انسانی ارتقاء کو بڑا دھچکا لگتا ہے۔ ذہنیت کی پستی کے ساتھ ہر قسم کی عملی پستی پیدا ہوتی ہے اور بالآخر انسانیت ذلیل ہو کر تباہ ہو جاتی ہے۔ (تفسیر صافی)

www.drhasanrizvi.org

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا (۶۴) آپ کہیے کہ اے اہلِ کتاب !
اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ایسی بات ہی کی طرف آجاؤ جو ہمارے
اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ اور تمھارے درمیان مشترک ہے۔
بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا وہ یہ کہ ہم سب اللہ کے سوا کسی
بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اور کی بندگی نہ کریں، اُس کے ساتھ
فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا کسی اور کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور
بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ○ (۶۴) ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا اپنا
"مالک اور پروردگار نہ بنائے۔[1] اب اگر اس بات سے بھی وہ منہ موڑیں تو پھر تم
لوگ کہدو : اب تم گواہ رہنا کہ ہم تو مسلم (خدا کے حکم کے تابع فرمان) ہیں۔ (۶۴)

آیت ۶۴ : [1] اس کا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے شریعت میں حلال اور حرام مقرر کرنے کا ان ملاّؤں کو ٹھیکیدار سمجھ لیا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو عدی بن حاتم نے رسولِ خدا ؐ سے پوچھا : ہم جب عیسائی تھے تو اُن ملاّؤں کی عبادت تو نہیں کرتے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا : کیا ایسا نہ تھا کہ وہ تمھارے لیے حلال و حرام مقرر کرتے تھے اور تم اُن کے قول پر (اندھا دھند) عمل کرتے تھے ؟" اُنھوں (عدی) نے کہا : ہاں۔ رسولِ خدا ؐ نے فرمایا : "بس یہی وہ ہے جسے قرآن نے اِس طرح فرمایا ہے :"
ہمارے مجتہدین قرآن و حدیث کی روشنی میں حلال و حرام کو تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں اپنی طرف سے کچھ مقرر نہیں کرتے
(مترجم و مفسر)

اہلِ کتاب کو توحید کی بنیاد پر متحد ہونے کی دعوت

يَآهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ (۶۵)

(۶۵) اے اہلِ کتاب! تم ابراہیمؑ کے بارے میں (ہم سے) کیوں جھگڑتے ہو؟ تورات اور انجیل تو اُن کے بعد اتری ہیں۔ پھر آخر تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے؟ [۱]

هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○ (۶۶)

(۶۶) تم لوگ تو وہی ہو جو اِن باتوں پر خوب خوب بحثیں کر چکے ہو جن کا تم کچھ نہ کچھ علم تو رکھتے تھے۔ تو اَب اِن معاملات پر کیوں بحثیں کر رہے ہو، جن کا تمھیں کچھ علم ہی نہیں ہے اور اللہ جانتا ہے لیکن تم نہیں جانتے۔

حضرت ابراہیمؑ نہ یہودی تھے، نہ عیسائی بلکہ مسلمان تھے:

آیت ۶۵ [۱]: یہودی کہتے تھے کہ ابراہیمؑ یہودی تھے اور عیسائی کہتے تھے ابراہیم عیسائی تھے، قرآن نے فرمایا کہ توراۃ اور انجیل تو ابراہیمؑ کے بعد آئی ہیں۔ ابراہیمؑ توحید کے قائل تھے جو اسلام کا جوہر ہے اس لیے اُنھیں بس مسلم کہنا چاہیے۔ یہودی یا عیسائی کہنا بے معنی بات ہے۔ نیز یہ کہ اسلام نزولِ قرآن سے وابستہ نہیں ہے۔ یہ بات خود قرآن نے بار بار بتائی ہے۔ قرآن سارے پچھلے انبیاء کی تصدیق کرتا ہے اور بار بار یہ بتاتا ہے کہ وہ دینِ توحید کے علمبردار تھے اور حضرت ابراہیمؑ کو مسلم کہنا اصولِ دین کے اعتبار سے ہے، احکامِ شریعت کے اعتبار سے نہیں۔

www.drhasanrizvi.org

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا (٦٧)
وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ
حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ
الْمُشْرِكِيْنَ ۝ (٦٧)

ابراہیم نہ تو یہودی تھے اور نہ عیسائی تھے، بلکہ وہ تو ایک نِرے کھرے خالص "مسلم" (خدا کے فرمانبردار) تھے۔ اور وہ ہرگز مشرکوں میں سے نہ تھے۔[1]

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ (٦٨)
لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِيُّ
الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (٦٨)

بیشک ابراہیمؑ سے نسبت رکھنے والے اور اُن سے قریب ترین لوگ وہ ہیں جنھوں نے ان کی پیروی کی، اور وہ یہ نبیؐ اور اِن کے ماننے والے ہیں۔[2] اور اللہ ایمانداروں کا سرپرست اور مددگار ہے۔

آیت ۶۷ [1]: محققین نے لکھا کہ آخر میں خدا کا یہ فرمانا کہ " وہ مشرکین میں سے نہ تھے "۔ اس طرف اشارہ ہے کہ شرک کی جو باتیں یہودیت اور نصرانیت میں بڑھادی گئی ہیں، وہ انبیاء کی تعلیمات نہیں ہیں اس لیے کہ وہ تمام انبیاءؑ توحید کے علمبردار تھے۔ (مجمع البیان)

آیت ۶۸ [2]: محققین نے نتیجہ نکالا کہ حضرت ابراہیمؑ سے لیکر (حضرت) محمد مصطفےٰ تک جتنے لوگ حضرت ابراہیمؑ کے پیروکار رہے ہیں وہ سب ملّت حنیفیہ پر تھے۔ وہ سب موحّدین اور صالحین تھے۔ (بلاغی)

جن کے افراد اکمل ہمارے رسولؐ کے آباء و اجداد تھے۔ اور اب وہ لوگ حضرت ابراہیمؑ کی تعلیمات کے ورثہ دار ہیں جو (حضرت) محمد مصطفےٰؐ کے پیروکار ہیں۔ (مجمع البیان)

www.drhasanrizvi.org

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ (۶۹)
الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا
يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا
يَشْعُرُوْنَ ۝ (۶۹)

اہلِ کتاب میں سے ایک گروہ کی
تو یہ آرزو ہے کہ تم کو کسی نہ کسی طرح سیدھے
راستے سے ہٹا دے۔ حالانکہ وہ اپنے سوا
کسی کو بھی گمراہ نہیں کرتے، مگر اُن کو اِس
بات کی سمجھ نہیں۔ (۶۹)

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ (۷۰)
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝ (۷۰)

اے اہلِ کتاب! آخر تم کیوں خدا
کی آیتوں کا انکار کرتے ہو، حالانکہ تم
خود اُن کا مشاہدہ کر رہے ہو۔ (۷۰)

آیت ۶۹ : اہلِ کتاب کا ایک گروہ جو مسلمانوں کو بہکانے کی کوشش کرتا ہے، اِس سے مسلمانوں کا کچھ نہیں بگڑتا البتہ وہ خود دنیا میں ناکامی اور آخرت میں عذاب کے مستحق بن جاتے ہیں۔ غرض نقصان اُنھیں کا ہوتا ہے۔

آیت ۷۰ : یہودی و نصرانی علما خوب جانتے تھے کہ حضرت محمدؐ مصطفٰے خدا کے سچے رسول ہیں۔ کیونکہ وہ اپنی کتابوں میں اُن کا حال پڑھ چکے تھے۔ اِس معنی کے لحاظ سے یہاں خدا کی آیتوں سے مراد خود اُن کی اپنی کتابوں کی آیتیں ہیں۔ آیاتِ الٰہی کے دوسرے معنی اگر قرآنی آیات کے لیے جائیں تو بھی درست ہوگا۔ اِس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ تمہارا دل خود گواہی دے رہا ہے کہ قرآنی آیات سابقہ کتابوں کی آیات کے مطابق ہیں، مگر پھر بھی تم اپنے مادّی مفادات اور ضد کی وجہ سے انکار کر رہے ہیں (مجمع البیان)

www.drhasanrizvi.org

اہلِ کتاب کی دشمنی اور منافقت

يَاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تَلۡبِسُوۡنَ (۷۱) الۡحَقَّ بِالۡبَاطِلِ وَتَكۡتُمُوۡنَ الۡحَقَّ وَاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۝	اے اہلِ کتاب! تم لوگ حق کو باطل کے ساتھ کیوں مِلا جُلا کر مشکوک بنا دیتے ہو، اور (کیوں) جان بوجھ کر حق کو چھپاتے ہو۔
وَقَالَتۡ طَّآئِفَةٌ مِّنۡ اَهۡلِ (۷۲) الۡكِتٰبِ اٰمِنُوۡا بِالَّذِىۡۤ اُنۡزِلَ عَلَى الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَجۡهَ النَّهَارِ وَاكۡفُرُوۡۤا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ۝	اور اہلِ کتاب کا ایک گروہ کہتا ہے کہ اس نبیؐ کے ماننے والوں پر جو کچھ بھی نازل ہوا ہے، اُس پر صبح کو تو ایمان لے آو اور شام کو اُس کا انکار کر دو۔ شاید اِس ترکیب سے مسلمان اپنے ایمان سے پھر جائیں۔

آیت ۷۱ : امیر المومنین حضرت علیؑ نے فرمایا: "اگر باطل حق کے ساتھ نہ ملایا جاتا تو حق ڈھونڈنے والوں سے حق چھپا نہ رہتا، اگر حق باطل کی ملاوٹ سے خالی ہوتا تو اعتراض کرنے والوں کی زبانیں بالکل ہی بند ہو جاتیں۔ مگر ہوتا یہ ہے کہ ایک مٹھی حق کی لی جاتی ہے اور ایک مٹھی باطل کی لی جاتی ہے اور پھر دونوں کو ملا دیا جاتا ہے۔ اس طرح شیطان کو (دھوکا دینے کا) موقع مل جاتا ہے اور وہ اپنے دوستوں پر غالب آجاتا ہے۔ (نہج البلاغہ)

آیت ۷۲ : رسولِ خداؐ جب مدینہ تشریف لائے تو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھا کرتے تھے لوگوں کو یہ اچھا معلوم ہوا لیکن جب اللہ نے آنحضرتؐ کا رُخ کعبہ کی موڑ دیا تو یہودی بہت رنجیدہ ہوئے اور کہنے لگے کہ حضورؐ نے صبح کی نماز تو ہمارے قبلے کی طرف پڑھی تھی اور ظہر کی نماز کعبے کی طرف پڑھی، اس لیے صبح کو جو نازل ہوا اُس کو مانو اور شام کو جو نازل ہوا اُس کو نہ مانو۔ (تفسیر صافی ص۸۲ بحوالہ تفسیر قمی)

وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۚ (۷۳)

(۷۳) اور اپنے دین والے کے سوا کسی کی بات نہ مانو۔ تو آپؐ کہہ دیجیے کہ اصل ہدایت تو بس اللہ کی ہدایت ہے ٭یہ کہ کسی کو وہی کچھ دے دیا جائے جو تم کو دیا گیا تھا (یا) یہ کہ دوسروں کو تمہارے ربّ کے سامنے پیش کرنے کے لیے کوئی قوی دلیل (کیوں) مل گئی۔ آپؐ کہیے کہ شرف اور فضیلت دینا تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جسے چاہے عطا فرمائے۔ وہ تو وسیع بخششوں والا اور ہر بات کو جاننے والا ہے۔ (۷۳)

آیت ۷۳ : اِن آیات کو مشکل مقامات میں شمار کیا گیا ہے۔ (غرائب القرآن)

اس کی آسان اور واضح تشریح یوں کی جا سکتی ہے کہ "اہلِ کتاب کے چالاک لوگ اپنے ساتھیوں سے یہ کہتے تھے کہ تم پہلے جا کر مسلمانوں کی جماعت میں مسلمان بننے کا اعلان کر دو۔ کچھ دن اُن کے ساتھ رہ کر اپنی عقلمندی کی دھاک بٹھاؤ پھر قرآنی آیات اور احادیثِ رسولؐ پر شکوک و شبہات اور اعتراضات کرنا شروع کر دو۔ پھر آہستہ آہستہ اُن کا انکار کرنا شروع کر دو۔ اس طرح سادہ قسم کے مسلمان شک میں پڑ جائیں گے اور تمہارے ساتھ ہو کر اسلام سے برگشتہ ہو جائیں گے۔ یہ مطلب ہے اس آیت کا کہ "دن کے ابتدائی حصّے میں ایمان لے آؤ اور آخری حصّے میں کافر ہو جاؤ شاید کہ وہ پلٹ آئیں٭"۔ آخر میں خدا نے جواب دیا کہ ہدایت دینا خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ یعنی جو واقعی ہدایت پر ہیں وہ ان مکاریوں کی وجہ سے حق سے نہیں پھرتے۔ (فصل الخطاب)

٭ (ملخص از تفسیر صافی، بلاغی، تفسیر مجمع البیان، نیشاپوری)

www.drhasanrizvi.org

يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ (۷۴) وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ○

وہ اپنی رحمت کے لیے جس کو بھی چاہتا ہے مخصوص کر لیتا ہے اور خدا بڑا ہی فضل والا ہے (۷۴)

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○ (۷۵)

(۷۵) اور اہلِ کتاب میں کوئی تو ایسا بھی ہے کہ اگر تم اُس کے پاس مال و دولت کا ایک بڑا ڈھیر بھی امانتاً رکھ دو، تو بھی وہ تمھارا مال تمھیں واپس کردے گا۔ اور کسی کا حال یہ ہے کہ اگر ایک دینار بھی اُس کے پاس امانتاً رکھ دو تو وہ تمھیں واپس نہ کرے گا۔ سوا اس کے کہ تم برابر اُس کے سر پر (تقاضے کیلئے) کھڑے رہو۔ اِس کا سبب یہ ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اُمّیوں کے معاملے میں ہماری کوئی ذمّے داری ہی نہیں ہے۔ اور یہ بات وہ محض جھوٹ گھڑ کر اللہ کیطرف منسوب کرتے ہیں۔ حالانکہ اُن کو معلوم ہے (کہ اللہ نے ایسی کوئی بات نہیں فرمائی)

آیت ۷۵ : حضورِ اکرمؐ نے فرمایا: "دشمنانِ خدا (یہودیوں) نے جھوٹ بولا ہے۔ جاہلیت کے زمانے کی کوئی رسم ایسی نہ تھی جسے میں نے مٹا نہ دیا ہو۔ سوا امانت کے، کہ وہ نیک آدمی کی ہو یا بُرے آدمی کی، وہ ضرور ادا کی جائے گی۔

(تفسیر صافی ص۹۶، و تفسیر مجمع البیان)

بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى (۷۶) ہاں جو شخص بھی اپنے عہد کو پورا کرے
فَاِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ ۝ (۷۶) گا، اور برائیوں سے بچے گا، تو بیشک
اللہ برائیوں سے بچنے والوں (اور فرائضِ الٰہیہ کے ادا کرنے والوں) سے محبت رکھتا ہے

آیت ۷۶ کی وضاحت : اہلِ کتاب میں کچھ ایسے بدکردار لوگ ہیں جو امانت داری کا کوئی خیال نہیں رکھتے۔ غیر مذاہب کے لوگوں کا مال کھا جانا تو حلال سمجھتے ہیں۔ (جلالین)

قرآن کا مطلب یہ ہے کہ جو بات بھی اصولِ شرافتِ انسانیت کے خلاف ہو، وہ ہر جماعت کے ساتھ غلط ہے۔ مسلمانوں کو ہرگز یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ کافروں کے مقابلے پر ہماری کوئی اخلاقی ذمہ داری نہیں۔ امانت اور دیانت کا معاملہ ہر انسان کے ساتھ لازمی ہے، خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر۔ رسولِ خداؐ نے اس آیت کو پڑھ کر فرمایا: "جو بات بھی زمانہ جاہلیت کی تھی وہ میرے قدموں کے نیچے پامال ہے سوا امانت داری کے۔ اس فریضے کو نیک اور بد، ہر آدمی کے مقابلے پر انجام دینا ضروری ہے۔ (مجمع البیان)

حضرت ابنِ عباسؓ سے کسی نے پوچھا کہ ہمیں دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کی بکریاں جنگل میں مل جاتی ہیں، کیا ہم اُن کو کھا سکتے ہیں۔؟

حضرت ابنِ عباسؓ نے فرمایا: "یہ تو ویسا ہی ہوا جیسے کافر کہتے تھے" ہم پر غیر اہلِ کتاب کا مال کھا لینے میں کوئی الزام نہیں۔"

(مطلب یہ ہے کہ یہ کافرانہ ذہنیت ہے) (غرایب القرآن علامہ نیشاپوری)

عہد کو پورا کرنے اور برائیوں سے بچنے والوں (متقین) سے خدا محبت کرتا ہے

(۷۷) اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَاخَلَاقَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

رہے وہ لوگ جو اللہ سے کیے ہوئے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی سی قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں، تو اُن کے لیے آخرت میں کوئی حصّہ نہیں۔ خدا قیامت کے دن اُن سے بات تک نہ کرے گا، اور نہ اُن کی طرف (نظرِ رحمت سے) دیکھے گا، اور نہ اُن کو (اُن کی بُرائیوں سے) پاک کرے گا۔ بلکہ اُن کے لیے تو سخت دردناک سزا ہے۔ (۷۷)

آیت ۷۷: ۱ "تھوڑی سی قیمت سے مراد" دنیا کا مال ہے خواہ کتنا زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ وہ آخرت کے نفع کے مقابلے میں بالکل حقیر ہے اور خاص طور پر جبکہ وہ ناجائز طریقوں، رشوت وغیرہ سے حاصل کیا جائے تو اس سے بڑھ کر کوئی چیز حقیر نہیں ہو سکتی۔ (تفسیر صافی صفحہ ۸۶)

۲ خدا کا فرمانا کہ "قیامت کے دن خدا اُن کو نہیں دیکھے گا" کا مطلب یہ ہے کہ انھیں خدا سے کوئی نعمت، کوئی خیر و خوبی نہ پہنچے گی۔ عرب محاورے میں "نہ دیکھنے" کے معنی یہی ہوتے ہیں (تفسیر صافی صفحہ ۸۶ بحوالہ کتاب التوحید)

"اللہ کے ساتھ عہد و پیمان کرنے کے" معنی اللہ اور رسولؐ کو ماننا اور اُن کی مدد کرنے کا وعدہ کرنا ہے۔

۳ اور خدا کا "اُن کو پاک نہ کرنے" کے معنی یہ ہیں کہ خدا اُن کو بری الذمّہ نہ کرے گا۔ مثلاً خدا نے فرمایا: "کیا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے کو بَری سمجھتے ہیں۔ بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے بَری الذمّہ قرار دیتا ہے۔" (نساء ۴۹) (تفسیر صافی و فصل الخطاب) ٭ (جلالین۔ مجمع البیان)

www.drhasanrizvi.org

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ (۷۸) اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○ (۷۸)

اور اُن میں سے کچھ لوگ تو ایسے ہیں کہ وہ کتاب[1] خدا کو زبان[2] مروڑ کر پڑھتے ہیں تاکہ تم یہی سمجھو کہ وہ جو کچھ پڑھ رہے ہیں، وہ کتاب خدا میں ہے، جبکہ وہ کتاب خدا میں نہیں ہے۔ مگر وہ یہی کہتے ہیں کہ جو کچھ ہم پڑھ رہے ہیں وہ (سب) اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ حالانکہ وہ خدا کی طرف سے نہیں[3]۔ وہ جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹ گھڑتے ہیں۔ (۷۸) (بقول اقبال "خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں")

آیت ۷۸: [1] "کتاب" سے مراد تورات ہے۔ [2] اور زبان کو مروڑنے کا مطلب، اصل کتاب کے الفاظ کو بدل کر یا ہٹا کر اپنی طرف سے فقرے پڑھنے لگتے ہیں۔ (جلالین)

یہ آیت تورات میں اور دوسری کتب مقدسہ میں لفظی تحریف کرنے کی دلیل ہے۔ اس لیے محققین کے نزدیک سابقہ کتابوں کو اصل کتاب کے مطابق ماننا ضروری ہے، نہ وہ جو اہل کتاب نے تورات وغیرہ کے نام کی چیز رائج کر رکھی ہے۔ (فصل الخطاب)

[3] عظیم سنی فقیہ اور مفسر ابوبکر رازی نے اس آیت سے نتیجہ نکالا کہ "گناہوں کی نسبت اللہ کے فعل کی جانب دینا درست نہیں۔ (فیہا دلالۃ علیٰ ان المعاصی لیست من عند اللہ ولا من فعلہ) (جصاص)

اہل کتاب کے ملاؤں کی بدمعاشیاں

www.drhasanrizvi.org

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ (۷۹) اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۝ (۷۹)

کسی اِنسان سے بھی یہ نہیں ہو سکتا کہ خدا تو اُسے کتاب، حکمت اور نبوّت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے یہ کہتا پھرے کہ خدا کو چھوڑ کر تم میرے بندے بن جاؤ ۔ وہ تو یہی کہے گا کہ تم بالکل اللہ والے بن جاؤ (※)۔ کیونکہ تم تو ہمیشہ اللہ کی کتاب کو پڑھتے بھی ہو اور پڑھاتے بھی ہو ________ (۷۹)

کوئی نبی اپنی عبادت کا حکم دے ہی نہیں سکتا

(※) ہر نبیؑ کا ایک ہی پیغام ہوتا ہے

آیت ۷۹: آیت میں خطاب عیسائیوں سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمھارے پاس تعلیم کے لیے آسمانی کتاب موجود ہے، پھر بھی تم ایسی گمراہیوں میں مبتلا ہو۔

(※) "ربّانی" سے مراد وہ شخص ہے جو علم و عمل میں کامل ہو اور خدا سے نسبتِ خاص رکھتا ہو۔ (صافی)

حضرت امام رضاؑ سے روایت ہے کہ رسولِ خداؐ نے فرمایا: "جو کچھ میرا مرتبہ ہے اُس سے مجھے نہ بڑھاؤ اِس لیے کہ اللہ نے مجھے نبی بنانے سے پہلے اپنا عبد قرار دیا تھا۔" پھر آپؐ نے یہی آیت تلاوت فرمائی ـــ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ "میرے بارے میں دو قسم کے لوگ ہلاک ہوں گے۔ جس میں میرا کوئی قصور نہیں۔ ایک وہ دوست جو میرا رُتبہ حد سے زیادہ بڑھائیں گے۔ دوسرے وہ دشمن جو میرا رُتبہ گھٹانے پر آمادہ ہوں گے۔ ہم ان دونوں قسم کے لوگوں سے خدا کے سامنے اسی طرح اپنی برأت (علیحدگی) ظاہر کریں گے جس طرح حضرت عیسٰیؑ نصارٰی سے اپنی برأت ظاہر فرمائیں گے۔"

وَلَا يَأْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ط اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ع (۸۰)

وہ تم سے کبھی یہ نہ کہے گا کہ فرشتوں اور نبیّوں کو اپنا خدا بنالو۔ بھلا یہ کبھی ہو سکتا ہے کہ (خدا کا نبی) تم کو کفر کا حکم دے؟ جب کہ تم مسلمان ہو چکے ہو۔ (۸۰)

کبھی نبیوں یا فرشتوں کو اپنا خدا نہ بنانا

آیت نمبر ۸۰ : یہ آیت اُن لوگوں کے لیے تنبیہ ہے جو اہلِ کتاب ہو کر شرک میں مبتلا ہیں۔ اُنھیں سمجھایا جا رہا ہے کہ سچے رسول ؑ بھلا ایسی مہمل تعلیم دے سکتے ہیں کہ فرشتوں یا رسولوں کو خدا یا خدا کا بیٹا بنالو۔ وہ رسول اللہ کے بھیجے ہوئے تھے اس لیے وہ لوگ صرف اللہ کی بندگی کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ یہی اسلام ہے۔ (جلالین)

آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ کچھ لوگ رسولِ خدا ص کے پاس آئے اور کہنے لگے، کیا ہم آپ کو اپنا معبود بنالیں ؟ رسولِ خدا ص نے فرمایا: " خدا کی پناہ، ہم بھلا اپنی عبادت کے لیے کہہ سکتے ہیں؟" اس پر یہ آیت اُتری۔ (مجمع البیان)

انسان کے ساتھ جو بشر ہونے کے حوالے سے نقائص وابستہ ہیں وہ اس کو کبھی خدائی کا درجہ نہیں دے سکتے۔ نیز یہ کہ عام آدمی تو ممکن ہے کہ خدائی کا دعوٰی کر بیٹھے مگر جس انسان کو خدا نے چن کر نبی بنایا ہو، وہ کبھی خدائی کا دعوٰی نہیں کر سکتا۔ اِس لیے کہ وہ معصوم ہوتا ہے۔ انجیل میں اگر کہیں عیسٰی کی زبانی خدائی کا دعوٰی مل بھی جائے تو یہ قول اُن کا ہو ہی نہیں سکتا۔ بلکہ یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ ایسا فرمائیں۔ اُن سے اِس قسم کے لغو دعوے کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ (غرائب القرآن و فصل الخطاب)

www.drhasanrizvi.org

تمام انبیاء سے ہمارے رسولؐ پر ایمان لانے اور اُن کی مدد کرنے کا عہد

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ○ (۸۱)

(۸۱) اور یاد کرو جب اللہ نے (تمام) پیغمبروں سے یہ عہد لیا تھا کہ "یہ جو کچھ ہم نے (آج) تمھیں کتاب و حکمت سے نوازا ہے کل اگر کوئی دوسرا رسول تمھارے پاس اِنہی (تعلیمات) کی تصدیق کرتا ہوا آئے جو پہلے سے تمھارے پاس موجود ہیں، تو تم ضرور اُس پر ایمان لانا اور اُس کی ضرور مدد کرنا" پھر (اللہ نے) پوچھا: "کیا تم اِس کا اقرار کرتے ہو؟ اور اِس بات کی بھاری ذمّے داری اُٹھاتے ہو؟" وہ بولے "ہم اقرار کرتے ہیں" (اللہ نے) فرمایا: "اچھا تو اب گواہ رہنا اور میں بھی تمھارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔" ——— (۸۱)

آیت ۸۱ : امیر المومنین حضرت علیؑ نے فرمایا: "خدا نے کسی پیغمبر کو نہیں بھیجا مگر یہ کہ اُس سے عہد لیا کہ محمدؐ پر ایمان لانا اور اپنی اُمّت کو اُن پر ایمان لانے کا حکم دینا۔ اپنی اُمّتوں سے کہنا کہ جب وہ آئیں تو اُن کی تصدیق کریں اور اُن پر ایمان لائیں" (تفسیر صافی ص ۸۰، تفسیر عیاشی، تفسیر مجمع البیان و تفسیر قمی)

ایسی بہت سی احادیث مفسّرین نے نقل فرمائی ہیں۔

لَتُؤْمِنُنَّ سے مراد حضرت رسالتمآبؐ پر ایمان لائیں گے۔ لَتَنْصُرُنَّهٗ سے مراد حضرت امیر المومنینؑ کی مدد رجعت میں کریں گے۔ (بحار الانوار جلد ۵۳) بروایت امام محمد باقرؑ

فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ (۸۲)

(۸۲) اب اِس کے بعد جو کوئی بھی اپنے عہد سے پھر جائے گا' تو وہ لوگ نافرمان (فاسق) ہیں۔

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝ (۸۳)

(۸۳) تو کیا یہ لوگ اللہ کے دین (اسلام) کو چھوڑ کر کسی اور طریقے کو تلاش کر رہے ہیں؟ حالانکہ آسمانوں اور زمین کی ساری چیزیں چار و ناچار (خوشی سے یا ناخوشی سے) اللہ ہی کی تابعِ فرمان (مُسلم) ہیں اور اُسی کی طرف سب کو پلٹنا ہے۔ ——— (۸۳)

آیت ۸۳: اسلام کے معنی قانونِ الٰہی کے سامنے سر جھکا دینا ہے۔ (تفسیر صافی)

یہی ساری کائنات کا مذہب ہے۔ اِس لیے اِس سے انحراف پوری کائنات کے دین سے مُنھ کو موڑ لینا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ انسان کے علاوہ تمام دوسری چیزیں تسخیری طور پر خدا کی اطاعت کر رہی ہیں مگر انسان کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اپنی عقل و اختیار کو کام میں لاکر خدا کی اطاعت کے لیے خدا کے قانون کے سامنے سر جھکا دے تاکہ اُس کا شرف اور فضیلت ثابت ہو اور وہ خدا کے عظیم اجر کا مستحق بن جائے۔ (فصل الخطاب)

آیت مجیدہ کی تاویل حضرت قائم آلِ محمدؐ کے زمانے سے کی گئی ہے اُس وقت کائناتِ دنیا میں اسلام ہی اسلام ہوگا کفر کا نام و نشان تک نہ ہوگا۔ (بحوالہ تفسیر انوار النجف ص۲۷)

اللہ کا دین اسلام ہے - یعنی اللہ کی اطاعت کرنا

www.drhasanrizvi.org

(٨٤) قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ
عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ
وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ
وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى
وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ
رَّبِّهِمْ ۠ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ
اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ
لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ○ (٨٤)

آپؐ کہدیجیے کہ ہم تو اللہ کو اور اُس
کی تعلیم کو مانتے جو ہم پر اُتاری گئی ہے
اور اُن تعلیمات کو بھی مانتے ہیں جو
ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ و اسحاقؑ و یعقوبؑ
اور اولادِ یعقوبؑ پر نازل کی گئی تھیں
اور اُن ہدایات کو بھی مانتے ہیں جو موسٰیؑ
اور عیسٰیؑ اور دوسرے تمام پیغمبروں کو اُن کے
رب کی طرف سے دی گئی تھیں۔ ہم اُن کے
درمیان کوئی فرق ہی نہیں کرتے اور ہم تو
اُس (اللہ) کے فرمانبردار (مسلم) ہیں۔

(٨٥) وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ
دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَ
هُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ (٨٥)

اور جو کوئی بھی خدا کی فرمانبرداری
اور بندگی (اسلام) کے سوا کوئی اور طریقۂ
زندگی تلاش کرے گا، تو اُس کا وہ طریقہ
ہرگز قبول نہ کیا جائیگا اور وہ آخرت میں
نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہوگا۔

(٨٦) كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا
كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَ

اللہ اُن لوگوں کو کیسے ہدایت دے جنھوں نے
ایمان پالینے کے بعد کفر اختیار کرلیا۔ حالانکہ

www.drhasanrizvi.org

شَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (۸۶)	وہ خود اِس بات کی گواہی دے چکے ہیں کہ بیشک یہ رسول (محمدؐ) سچا ہے اور اُن کے پاس روشن نشانیاں بھی آچکی ہیں (اِس لیے) خدا ظالموں کو ہدایت نہیں دیا کرتا[۱] (۸۶)
اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝ (۸۷)	(۸۷) اُن کی سزا یہی ہے کہ اُن پر اللہ تمام فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت[۱] (اور پھٹکار) ہو۔ (۸۷)

آیت ۸۶ : ۱ : یہ خدا کی قدرت کی کمی یا مجبوری کا اظہار نہیں بلکہ حکمت کا یہی تقاضا ہے کہ ہدایت کا سامان ہوجانے کے بعد بھی لوگ حق سے اختیاراً منحرف ہوجائیں اُن کے ساتھ یہی ہوسکتا ہے کہ خدا انھیں موردِ لعنت قرار دے کر انھیں اُن کے جُرم کے مطابق سزا دے۔ (فصل الخطاب)

ہدایت کے دوسرے معنیٰ خدا کی خاص توفیقات کے ہیں۔ تو خدا ایسے منکروں کو اپنی خاص توفیقات کیوں عطا کرے جو اُس کے مستحق نہیں ہیں۔ اُنھوں نے تو خود اپنے آپ کو اپنی ضد کی وجہ سے دینِ حق سے نکال لیا ہے اور اِس طرح خدا کی خاص توفیقات سے محروم ہوگئے۔ (بلاغی)

www.drhasanrizvi.org

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۙ (۸۸)

(۸۸) اِسی حالت میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اُن کی سزا میں نہ تو کوئی کمی کی جائے گی اور نہ اُنھیں کوئی مُہلت دی جائے گی۔ (۸۸)

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۫ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (۸۹)

(۸۹) سوا اُن لوگوں کے جو ایسا کرنے کے بعد توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لیں (کیونکہ) حقیقتاً خدا بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

توبہ کرنے کے بعد اپنی اصلاح کر لینے والوں کا بہترین انجام

آیت ۸۹ : سچّی توبہ کے بعد اُن کا معاف ہونا لازمی ہے اِس لیے کہ اللہ کی رحمت کی شان ہی یہ ہے کہ وہ سچّے دل سے توبہ کرنے والوں کو معاف فرما دے۔ (بلاغی).. خدا کی صفت "غفر" کا تقاضا ہے کہ اُنکی پچھلی خطاؤں کو معاف کر دے۔ اور اُس کی صفتِ "رحیمیّت" کا تقاضا ہے کہ اُن پر مزید کرم فرمائے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ "انصار میں سے ایک شخص نے جس کا نام حارث بن صوید تھا ایک شخص کو بُلوا کر قتل کیا۔ پھر بھاگ کر مُرتد ہو کر مشرکینِ مکّہ کی پناہ میں رہا۔ پھر شرمندہ ہو کر رسولِؐ خدا سے کہلوا بھیجا کہ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ اُس وقت یہ آیات نازل ہوئیں۔ جب اُس نے یہ آیتیں سُنیں تو کہا کہ "میں خوب جانتا ہوں کہ تو سچّا ہے اور رسولِؐ خدا تجھ سے زیادہ سچّے ہیں اور خدا سب سے زیادہ سچّا ہے"۔ پھر وہ مدینے لوٹ آیا اور تائب ہوا اور پھر اُس کا اسلام بہت اچھا اسلام ثابت ہوا۔ (تفسیر صافیؒ بحوالہ تفسیر مجمع البیان)

www.drhasanrizvi.org

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ (۹۰) اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ۝ (۹۰)

مگر جو لوگ ایمان لانے کے بعد کفر میں بڑھتے ہی چلے گئے، اُن کی توبہ بھی قبول نہ ہوگی۔ اور[1] ایسے ہی لوگ تو پکے گمراہ ہیں۔[2]

آیت ۹۰ : [1] کیونکہ آیت اہلِ کتاب سے متعلق ہے اس لیے مطلب یہ ہوا کہ تم نے کیونکہ موسیٰ کو مانا، اِس لیے مومن ہوئے۔ مگر کیونکہ عیسیٰ کو نہ مانا، اِس لیے کافر ہوگئے اور اب محمدؐ کا انکار کرکے اور زیادہ کافر ہوگئے۔ (تفسیر صافی)

ایسوں کی توبہ قبول نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ سچّے دل سے توبہ کریں گے ہی نہیں۔ (مجمع البیان)

[2] مطلب یہ بھی ہے کہ پڑے تو کفر میں رہیں گے، حق کا انکار پر انکار کرتے رہیں گے اور چاہیں گے کہ اُن کو اُن کے اچھے کاموں کا صلہ بھی مل جائے جبکہ بغیر ایمان اور صحیح اعتقاد کے اُن کے کاموں پر اعمالِ صالحہ یا حسنات کا اطلاق ہی نہیں ہوتا، جس سے کسی اَجر کی توقع رکھی جاسکے۔ یہ لوگ انتہائی درجے کے گمراہ ہیں، جبکہ سارے کے سارے کافر ہی گمراہ ہوتے ہیں۔ (تفسیر کبیر)

www.drhasanrizvi.org

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا (۹۱) یقین جانو کہ جن لوگوں نے کفر
وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُقْبَلَ اختیار کیا، اور کفر ہی کی حالت میں وہ
مِنْ أَحَدِهِمْ مِلْءُ الْأَرْضِ مر گئے[1]، اُن میں کا کوئی بھی اگر (اپنے
ذَهَبًا وَلَوِ افْتَدَىٰ بِهِ ۗ آپ کو خدا کی سزا سے بچانے کے لیے) زمین
أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ بھر سونا[2] بھی فدیے میں دیدے
وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ۝ (۹۱) تو بھی اُسے قبول نہ کیا جائے گا۔ ایسے
لوگوں کے لیے دردناک سزا ہوگی اور اُن کے لیے کوئی مددگار بھی نہ ہوگا۔ (۹۱)

ع ۱۱ ۱۷

کفر کی حالت میں موت کا حسرتناک انجام

آیت ۹۱: [1] "کفر کی حالت میں مرگئے" یعنی مرتے دم تک کافر رہے۔ (تاج العلماء)

[2] یہاں سونے سے سونا ہی مراد نہیں، بلکہ زیادہ سے زیادہ قیمتی چیز کا فدیہ دینا مراد ہے (تفسیر کبیر)

آیت کے دوسرے معنیٰ یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ کوئی شخص اگر یہ چاہے کہ کافر رہ کر پوری زمین کی برابر روپیہ نیک کاموں میں خرچ کردے اور اُس کے بدلے قیامت میں نجات حاصل کرے تو اُس کی نجات کا کوئی امکان نہیں۔ (ابن کثیر)

اسی طرح رسولِ اکرمؐ پر ایمان لانے کے بعد اُن کے وصیٔ برحق امامِ عصر حجتِ خدا کے منکرین کا کیا بنے گا۔" ○ الحمد للہ ربّ العٰلمین تیسرا پارہ اختتام کو پہنچا ○ (۲۵ ذیقعدہ ۱۴۱۳ھ ۱۷ مئی ۱۹۹۳ء)

★ کاتبِ قرآن [redacted] سید محمد جعفر زیدی ۳۶ بی لانڈھی